انکارِ حدیث

ایک فتنہ!
ایک سازش!!

مُصنّفہ

پروفیسر محمد فرمان ایم۔ اے

(مُصنّف حیاتِ مُجدّد)

مکتبۂ مُجدّدیہ، نورپور شرقی گجرات

ہے۔ باقی سب وقتی اجتہادات تھے۔ خواہ وہ آنحضرت یا خلفاء راشدین یا آئمہ دین سے منسوب[1] ہوں۔ اور قرآن کی طرح دائمی نہیں ہو سکتے۔ اور آنحضرت اور خلفاء اور آئمہ دین نے بھی یہی حقیقت بخوبی سمجھی ہوئی تھی۔ اس لیے آنحضرت نے تاکیداً فرما دیا تھا۔ کہ قرآن کے سوا، اور میری کوئی بات مت لکھو۔ چنانچہ دو سو برس تک تو اس ارشاد نبوی پر سختی سے عمل ہوتا رہا۔ اور اس عرصہ میں کوئی حدیث قلمبند نہ ہوئی۔" صفحہ ۸۱۔

ہم نے اس روایت کو صحیح صورت میں اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ اختر کا یہ دعوٰے کتنا جسارت آمیز ہے۔ کہ کوئی حدیث نہیں لکھی گئی۔ حالانکہ یہ روایت جس کتاب (مسلم) سے انہوں نے لی ہے۔ وہ خود حدیث کی کتاب ہے اور اس کے ساتھ اور روایات اس مطلب کی موجود ہیں کہ تحریر کا کام حضورؐ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ بلکہ آپؐ نے خود بھی بعض احکام لکھوائے تھے۔ اس موضوع پر علمائے اسلام نے "تدوین حدیث" کے زیر عنوان کافی روشنی ڈالی ہے۔

ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:۔

"بات تو صرف اتنی ہے۔ کہ قرآن کے جامع و مانع اصول احکام ہمارے پاس موجود ہیں اور تفقہ کا حق ہر اہل الرائے کو حاصل ہے۔ اور تمام احکام شریعت جو تفقہ کے بعد وضع ہوں۔ شوریٰ ہی میں ہوں گے۔ کسی واحد شخص کا تفقہ قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ کہ آج ایک ملا کھڑا ہو[2] جائے۔ اور ایک رسالہ احکام شریعت کا تصنیف کر کے

---

[1] فی الحال آپ منسوب کو قبول کر لیں۔ آئندہ منسوب کو بھی منکرین حدیث خارج کر لیں گے۔ اور لکھا کریں گے "خواہ آنحضرت کے ہوں"۔ [2] یہ صاحب ملا کے کھڑے ہونے سے بہت ڈرتے ہیں۔

Marfat.com

کہے - کہ اس پر عمل کرو - اور کہے کہ میں مجدد نہ قت ہوں - مجدد گو اصطلاحی نبی نہیں ہوتا - مگر ایک طرح کا نبی ہی ہوتا ہے - یا نبی کے اقرب ہے - یہ کھلی بغاوت انتظامیہ حکومت کے خلاف ہے - جو اپنے قوانین وضع اور نافذ کرتی ہے - اور یہ بر خود غلط ملا متوازی قوانین وضع اور نافذ کرنا چاہتا ہے ۔۔۔" صفحہ ۹۹

"اگر کوئی ہم سے پوچھے تو دادا بھی مجتہد ہیں جن کا درجہ ان سب مجتہدین سے اعلیٰ و ارفع ہے - وہ مجدد اور محدث ہے - یہ نبوت کے اقرب ہوتے ہیں - جب چالاک لوگوں نے دیکھا کہ ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں کے ذہن میں ایسا پختہ ہو چکا ہے کہ اب دعوائے نبوت کرنا بے فائدہ ہے - تو مجدد اور محدث کی اصطلاح اختراع کی عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے دنیا میں بہت ہیں - ان کو بھی ایسے ہی لوگوں کی تلاش رہتی ہے - ان مجددوں اور محدثوں کا کام چل جاتا ہے "

یہ انداز بیان ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ایک رفیق کا ہے ـــــ صفحہ ۱۰۲ ملاحظہ کیجئے اور ادارہ کے حسن انتخاب کی داد دیجئے - کہ اس نے کیسے کیسے نادر روزگار اشخاص کو قبول فرمایا ہے - اگر خواجہ عباد اللہ صاحب نے ہماری کتاب حیات مجدد مطالعہ کی ہوتی تو اس جسارت اور اتہام سے باز رہتے - ہم انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے ادارہ سے ملحقہ مجلس ترقی ادب کے دفتر سے حیات مجدد کا نسخہ لے کر ملاحظہ فرمائیں ہمیں امید ہے کہ وہ صرف ایک مجدد کے حالات، ان کا اعلائے کلمۃ الحق، ان کی فراست اور ان کی خدمت اسلام کا سبب تبع علم حاصل کریں گے تو وہ اپنی ان سطور پر شرم کے مارے ۔۔۔۔۔ پانی پانی ہو جائیں گے - ایسے بزرگواروں کو پالاک کا خطاب بینا کور چشمی اور بد نصیبی ہے کرسٹین کیلر کے پیروؤں اور فیلو کے ہم مشربوں کا اجتہاد

امت کے لیے کیسے قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ امت تو ابوحنیفہ، محمد، مالک اور شافعی کی
امداد ہے۔ شمع رسالت کے پروانے، غلاظت و کثافت کے بھوکے بھنوروں کو
کسی شمار قطار میں نہیں لاتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں شوریٰ کا بڑا احترام
ہے۔ اور اس کے فیصلے جو قرآن اور سنت کے مطابق ہوں۔ قابل قبول اور حجت
ہوتے ہیں۔ مگر جدید دور کی ازموں کی بنائی ہوئی شوریٰ۔ جس کے نمائندے تفقہ اور
تقویٰ سے دور ہوں۔ جن میں سے اکثر کی راتیں شبینہ کلبوں میں کٹتی ہوں۔ یہ حق نہیں
رکھتی۔ امتِ مسلمہ کا مزاج اس طرح تشکیل پذیر ہوا ہے۔ کہ دین کے معاملات و
مسائل میں اجتہاد اگر ایک ادارہ یا گروہ، یا مجلس کرے گی تو اسے دل و جان سے کبھی
قبولیت نہیں ملے گی۔ پیروی کرنے کے لیے ایک فرد کی پیروی جس اہتمام اور
ذوق و شوق سے کی جاتی ہے۔ وہ ایک سے زیادہ افراد کی ہو نہیں سکتی
اسی واسطے ہر شخص اپنے اپنے مسلک کا نام لیتے وقت اس مسلک کے قائد کا نام
لیتا ہے۔ اور حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی کہلاتا ہے۔ ان بزرگواروں کا کیریکٹر ایسا عمدہ تھا
کہ عوام اس پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ ان کا اجتہاد ان کے لیے حجت اور دلیل شرعی
ہے۔

یہ مثالیں صرف ایک اہل قرآن کے ہاں ملتی ہیں۔ ان کی بساط پر اور کھوٹے سکے بھی
ہیں۔ (جن سے ہم نے تعرض نہیں کیا) اگرچہ ان پر سرکاری مہر لگا دی گئی ہے۔ مگر ان کا تاؤ
بھاؤ جعل سازی کا مرقع ہونے کا نقیب ہے۔ ان کے دوسرے ہم کار جعلی سکوں
کے انبار لیے گلی کوچوں میں نعرہ زن ہیں۔ کہ پرانے سکے دے دو۔ نئے سکے لے
لو۔ ان کا نعرہ چند کوچوں میں تو مقبول ہو رہا ہے۔ مگر جہاں روشنی ہے وہاں

Marfat.com

ان کی دال نہیں گلتی ۔

مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

قلب پہلو سے زند باذر بغشب
انتظار روز سے دار ذہب

Marfat.com

سادہ لوح علماء کا مشورہ

منکرین حدیث کے زمرہ میں بعض بزرگوار نادانستہ طور پر شامل ہیں۔ جہاں ایک طرف ان بزرگواروں کے قلم سے اسلامی افکار کی خدمت ہوتی ہے۔ وہاں دوسری طرف ان کا قلم روایت پسندی کو ضعف پہنچانے کا کام دیتا ہے۔ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی کو ہم منکرین حدیث کا ہم نوا قرار دینے کی جرأت تو نہیں کر سکتے۔ لیکن ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں خواجہ عباد اللہ اختر ایسے ادیبوں کی شمولیت اور ان کے گروہ سے مولانا موصوف کا اشتراک عمل اسلام کے لیے مفید نہیں ہے۔ مولانا محمد حنیف صاحب "مقام سنت" میں ۹۳ صفحہ پر انکار حدیث کے علم بردار اور روایت پرستوں کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف قرآن کے سوا ہر چیز کو غیر وحی ہونے کی وجہ سے ظن محض اس لیے ساقط الاعتبار قرار دیا جا رہا ہے۔ اور دوسری جانب ہر دینی علم و فن کو عین وحی بتایا جا رہا ہے۔ صاف الفاظ میں ممکن ہے۔ اس کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ لیکن عمل کی دنیا میں یہی کچھ نظر آ رہا ہے۔ کچھ لوگ ایسے دیکھنے میں آئے ہیں۔ کہ ان کے سامنے اقبال کا شعر پڑھئے تو جھوم جائیں گے۔ مثنوی رومی کا شعر گنگنائیے تو سر دھننے لگیں گے برگسن، نٹشے، آئن سٹائن اور برگسان کے فلسفے بیان کیجئے، ہمہ تن گوش بن جائیں گے۔ یہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن اگر حدیث رسول کہہ کر کچھ سنائیے تو نگاہوں میں غضب، دماغ میں جذبۂ تردید اور دل میں اعراض و بے رخی کے انداز پیدا ہو جائیں گے۔ اور

Marfat.com

دوسری طرف کچھ احباب ایسے بھی دکھائی دیں گے۔ کہ ان کے سامنے کتنی ہی واضح الدلالۃ آیت پڑھیئے۔ وہ اس پر غور کرنے کی بجائے پہلے یہ غور فرمائیں گے کہ اس کے خلاف کوئی روایت تو موجود نہیں ؟ یعنی اگر ہو تو آیت قرآنی کی تاویل کر دی جائے ورنہ روایت کی پشت پناہی کی وجہ سے مضمون آیت کو بھی مان لیا جائے۔" [1]

جو لوگ حدیث پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ وہ (مولانا کو معلوم ہے) مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کوئی مستند سرمایہ علمی نہیں ہے۔ مصر کا ایک مشہور عالم ڈاکٹر شیخ مصطفےٰ لکھتا ہے۔

"دور جدید میں بعض مستشرقین اور استعمار و استبداد کی راہ ہموار کرنے والے عیسائی مبلغین نے حدیث کو اعتراضات کا ہدف بنا کر مسلمانوں کے دلوں میں شکوک ڈالنے کی کوشش شروع کی۔ اور اس فتنہ پردازی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ شریعت اسلامی کے اس مضبوط اور مستحکم ستون کو گرا کر وحدت اسلامیہ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کا یہ جادو کام کر گیا۔ اور خود مسلمانوں میں ایسے لوگ (جدید منکرین حدیث) پیدا ہو گئے۔ جو یا تو مستشرقین کی ایسی نمائشی اور سطحی معلومات کے فریب میں آ گئے جو کسی سنجیدہ علمی تنقید کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی یا پھر انہوں نے اس موضوع کو اپنے ذہنی شبہات اور نفسانی جذبات کی تسکین کے لیے آڑ بنایا۔ اور کبھی یہ کوشش ہی نہیں کی۔ کہ اپنے مخصوص انفرادی نظریات کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں ——— جو راسخ العلم اسلاف سے ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ چنانچہ ان فریب خوردہ اور کج فہم شاگردوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر وہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔ جو ان کے فرنگی استاد الاپ

---

[1] مقام سنت ص۱۴

رہے تھے۔" [1]

جو لوگ کثرت قرآنی سن کر کسی روایت کی تلاش کرتے ہیں۔ ان کا مسلک معترب نواز ناقدین کے مقابلہ میں حسن اور صائب ہے۔ مولانا موصوف نے روایت پرستوں کے مزاج کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال دی ہے۔ ملاحظہ ہو :-

"ہم یہ گفتگو محض برائے وزن بیت نہیں کر رہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ چونکہ ہم نے منکرین روایات پر طنز کی ہے ۔۔ اس لیے ہم نے توازن قائم رکھنے کے لیے روایت پرستوں پر بھی ایک الزام گھڑ کر لگا دیا ہے۔ ایسا نہیں۔ ایک مثال سے ہماری گفتگو کی کسی قدر تصدیق ہو جائے گی۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی مشہور عالم کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں یوں فرماتے ہیں۔

"دوسری مثال حضرت عمرؓ کا یہ مسلک ہے" جو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے" کہ جنبی اگر پانی نہ پائے۔ تو اس کے لیے تیمم کافی نہیں۔ حضرت عمار بن یاسر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایک سفر کا حال بیان کیا۔ کہ میں جنبی ہو گیا۔ اور پانی نہ ملا تو میں مٹی میں لوٹ گیا۔ اور میں نے رسول اللہ صلعم سے اپنا یہ طریقہ تیمم بیان کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔ پھر حضور نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مار کر اپنے ہاتھوں اور چہرے پر پھیرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یوں کر لینا کافی تھا۔ لیکن حضرت عمر نے کسی پوشیدہ علت کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن بعد میں یہ حدیث اس قدر مستفیض ہوئی۔ کہ اس کی عدم صحت کا وہم جاتا رہا۔ اور بالاتفاق یہ لائق عمل ہو گئی۔۔۔۔۔"

---

[1] سنت رسول۔ ص ۱۷-۱۸۔ مترجم ملک غلام علی صاحب

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہم جیسے کم علموں کو جنہیں سال میں ایک ختم قرآن کی نوبت بھی یہ مشکل آتی ہے۔ ایک جگہ نہیں دو دو جگہ (سورۃ نساء ع ۷ اور سورۃ مائدہ ع ۱) قرآن کے یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ کہ .... اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ..... یعنی اگر عورتوں کو چھولو (صحبت کرلو) اور پانی نہ ملے۔ تو تیمم کرلو ..... لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر کو آخر عمر تک یہ آیات نظر نہ آئیں۔ یا اگر دیکھی ہوں گی تو سمجھ نہ سکے۔ اور اسی مسلک پر آخر دم تک قائم رہے ہے۔ کہ جنبی کے لیے اگر وہ پانی نہ پائے تیمم کافی نہیں۔ کاش راوی یہ بھی بتا دیتا کہ پھر کیا چیز کافی ہے۔ روایت گھڑنے والے کو یہ بھی خیال نہ آیا۔ کہ وہ کس شخصیت کے بارے میں، اور کیا کہہ رہا ہے۔ زیادہ پُر لطف بات یہ ہے۔ کہ عمار یاسر نے بھی حضرت عمر کے سامنے آیت تیمم نہیں پڑھی۔ شاید ان کی نظروں سے بھی آیت نہ گزری ہو گی۔ بہر حال آیت یاد ہو یا نہ ہو مگر انہیں حدیث یاد تھی۔ اور وہی حضرت عمر کے سامنے پیش بھی کی۔ پھر ایک اور تماشہ دیکھئے۔ عمار یاسر جیسے صادق القول اور زبان رسالت سے براہ راست سننے والے راوی کی بیان کردہ حدیث کو بھی حضرت عمر تسلیم نہیں کرتے۔ اور مزید برآں اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں بتاتے۔ اور کیوں بتاتے جب کہ وہ ایک پوشیدہ علت تھی۔ اور سب سے تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ حضرت عمر کو نہ تو حضرت عمار منکر حدیث کہتے ہیں۔ نہ دیگر صحابہ۔ اور ان سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک حدیث جو دورِ فاروقی میں غیر صحیح اور ناقابل عمل تھی۔ وہی بعد میں اس قدر مستفیض ہوئی کہ عدم صحت کا وہم جاتا رہا۔ اور بالاتفاق قابل عمل ہو گئی۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ تا ہ جنبی اگر پانی

Marfat.com

نہ پائے تو اس کے لیے تیمم بعد کے دور میں جائز اور لائق عمل ہو گیا - مگر کس دلیل سے اور کیوں؟ قرآن سے اب بھی اس کا کوئی تعلق نہیں - یہ مسئلہ حدیث شریف ہی سے لیا گیا ہے - اور حدیث بھی وہ جو پہلے غلط اور ناقابل عمل تھی - اور بعد میں مستفیض ہو کر صحیح اور قابل عمل ہو گئی - اگر یہ حدیث نہ ہوتی - تو فتیمموا صعیداً طیباً — والی دونوں آیتوں کو کہاں سے سہارا ملتا ؟ - یہی تو وجہ ہے کہ حضرت عمر آخری دم تک اپنے مسلک پر قائم رہے؛ قرآن میں اگر کوئی آیت تھی - تو ہوا کرے، جب تک کسی روایت کی پشت پناہی نہ ہو ہے چاری آیت تنہا کیا کر سکتی ہے - حضرت عمر کو چونکہ کوئی روایت نہ ملی - اور جو ملی بھی تو اس میں کوئی پوشیدہ علت تھی - اس لیے ان آیات تیمم کو آپ نے چندان لائق اعتنا نہ تصور فرمایا العیاذ باللہ

ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے - آیات تیمم میں دونوں جگہ طریقہ تیمم بھی بتا دیا گیا ہے۔ فامسحوا بوجوھکم وایدیکم اور فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ یعنی اس پاک مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کو مسح کرو - مگر روایت میں ہے - کہ حضرت عمار مٹی میں لتھڑ گئے (لفظ کہیں تمعک ہے اور کہیں تمرغ) اور کیوں نہ لتھڑتے - ان کی نظر آیات قرآنی پر ہوتی جب تو انہیں طریقہ تیمم معلوم ہوتا؟ معلوم نہیں یہ روایت بیان کرنے سے راوی کا کیا مقصد تھا - جو اس نے ایک سرے سے سارے صحابہ کو قرآن سے بے خبر ثابت کر دیا۔

ذرا یہ بھی ذہن میں رکھیے گا - کہ یہ واقعہ نزول تیمم کے بعد کا ہے - اگر پہلے کا ہوتا تو تیمم کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا - عمار حضور سے پہلے دریافت کرتے کہ اس حالت میں میں کیا کروں - اپنی طرف سے عمار کوئی اقدام نہ کرتے - نیز اگر نزول تیمم

Marfat.com

کے بعد کا یہ واقعہ ہوتا تو عمار اتنے بے خبر نہ تھے۔ جو۔ فَامسِحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ منہ سے کا مطلب مٹی میں لوٹ جانا سمجھتے۔ اور اس پر عمل کرتے۔ حضرت عمار اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے بہت بعد بیان فرماتے ہیں۔ اگر حضور کی زندگی میں بیان کرتے۔ تو اس کا سیدھا فیصلہ یہ ہوتا کہ حضور سے جاکر دونوں دریافت یا تصدیق فرما لیتے۔ لیکن راوی تو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ دور فاروقی تک صحابہ میں کسی کی نظر قرآن تک نہ گئی۔ ہر شخص کی نظر احادیث پر لگی رہتی تھی۔ مگر افسوس کہ قرآنی حکم تو یوں گیا کہ اس پر حضرت عمر کی نظر نہ پڑی۔ اور عمل بالحدیث یوں گیا کہ جو روایت ملی بھی اس میں کوئی رازدارانہ پوشیدہ نقص تھا۔ اور یہ گتھی آخر عمر تک حضرت عمر سے نہ کھل سکی۔ کھلی تو بعد والے لوگوں پر "طبقہ ثانیہ" میں۔

اس روایت سے ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ایک صاف و صریح قرآنی مسئلہ بھی حضرت عمر کے پیش نظر نہ رہتا تھا۔ جو قرآن سے استدلال و استنباط کرکے اصل مسئلہ بتاتا۔ سب کی نظریں قرآن سے ہٹ کر صرف احادیث پر لگی رہتی تھیں۔ یعنی اگر کوئی روایت مل گئی تو فبہا۔ ورنہ قرآن کے صاف و صریح مسئلے کو بھی وہ اپنے لیے کافی نہ سمجھتے تھے۔ اور ساری عمر ادھر ان کی توجہ نہ جاتی تھی۔

بہرکیف راوی ایک لحاظ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اور آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو قرآن سے پہلے کسی روایت کو تلاش کرتے ہیں۔ اگر روایت کا سہارا مل گیا تو مجبوراً قرآنی حکم کو بھی تسلیم کر لیں گے۔ ورنہ روایت اگر اس کے خلاف ملی تو کایت ہی کی تاویل فرما دیں گے۔ یہ اثر اسی قسم کی روایات کا ہے جن کا ایک

Marfat.com

نمونہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ لیکن کیا اس کے لیے بھی آپ کسی کو تیار پائیں گے کہ ایسی مشتبہ روایات کو صحاح و سنن سے خارج کر کے صرف صحیح روایات کو باقی رہنے دیا جائے؟ آپ قرآنِ کریم میں منسوخ الحکم اور منسوخ التلاوۃ اور منسوخہما کا اعتراف تو کر سکتے ہیں۔ مگر روایات کی کتابوں میں تو اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ..... بعد میں سب کی سب اس قدر مستفیض ہو گئیں کہ عدم صحت کا وہم جاتا رہا۔ اور بالاتفاق سب کی سب لائقِ عمل ہو گئیں.....؟" [1]

ہم نے یہ اقتباس بلاکم و کاست درج کیا ہے۔ مولانا نے جس وقت اپنے حلقہ احباب میں یہ عبارت پڑھی ہو گی تو ان کے رفقاء نے اس پر مسرت کا اظہار کیا ہو گا۔ ادارہ کا پیر طریقت مسکرایا ہو گا۔ کہ مولانا نے حق خدمت ادا کر دیا۔ اور روایت پرستوں کی قلعی کھول دی۔ اور صحاح میں سے غلط مواد کو باہر نکال پھینکنے کے لیے راستہ ہموار کر دیا لیکن ہمیں یہ سطور پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آئی ہے۔ اور ان ثقافت پرستوں کے مزاج پر ہم دل ہی دل میں کڑھے ہیں۔ بات نہایت مختصر اور قابلِ فہم تھی۔ مولانا نے خواہ مخواہ اس پر حاشیہ چڑھایا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفاء کے ایک حصّہ کا ترجمہ اسی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ایک دوسرے رکن مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے کیا ہے۔ جسے فقہ عمر کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:-

مسائل تیمم:- جنبی کے لیے تیمم روا نہیں۔ ابوبکر..... حضرت عمر

---

[1] مقام سنت ص ۹۳-۹۸

Marfat.com

نے فرمایا۔ جنبی کو اگر ایک ماہ تک پانی نہ ملے۔ تب بھی اس کے لیے تیمم روا نہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے اس اجتہاد پر مندرجہ ذیل وجوہ سے کلام ہے۔ جیسا کہ سابق میں آپ سے بیان کیا گیا ہے۔ اور خود صاحب واقعہ حضرت عمار یاسر ہی نے آپ سے کہا کہ اے امیر المومنین ! فلاں موقع پر میں اور آپ دونوں اسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور پانی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ میں نے تو ایک طرف تنہائی میں اپنے پورے بدن کا اس طرح تیمم کر لیا۔ جس سے جسم کے روئیں روئیں پر مٹی نے مس کیا۔ لیکن آپ نے تیمم کی کوئی صورت گوارا نہ فرمائی۔ پھر جب میں اور آپ دونوں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے تو میں نے اپنا واقعہ اور آپ نے اپنا ترک تیمم عرض کیا۔ اور دونوں کی گفتگو سن کر رسول اللہ نے فرمایا۔ اے عمار تمہارے لیے تو وہی کافی تھا۔ جو نماز میں کیا جاتا ہے اور رسول اللہ نے اسے فعلاً بھی کر کے دکھایا۔ مگر امیر المومنین نے حضرت عمار یاسر کی اس روایت پر بھی التفات نہ فرمایا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"لیکن حضرت عمر کے اس اجتہاد پر فقہائے اربعہ میں سے کسی نے عمل نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے سامنے حضرت عمر بن حصین اور حضرت ابو ذر اور حضرت عمرو بن عاص کی وہ مرفوع حدیث تھی جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو تیمم کا حکم دیا ہے۔ جس صورت میں کہ اسے پانی میسر نہ ہو۔

شاہ ولی اللہ یہ بھی فرماتے کہ جہاں تک میں نے غور کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خیال تھا کہ حضرت عمر اور عمار یاسر کے سامنے سورہ مائدہ اور نساء کی یہ دو آیتیں تھیں۔ جن سے دونوں نے اپنے اپنے فہم کے مطابق

قیاس کیا۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے دونوں حضرات میں سے کسی کی تاویل کو رد نہیں فرمایا۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی تاویل پر چھوڑ دیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ـــــ اور حضرت عمر کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو بوقتِ اجتہاد اس حدیث (عمار یاسر) کا علم نہ ہو آپ اس معاملہ میں اللہ تعالےٰ سے بہت ڈرنے والے ہیں کہ آپ کو کسی حدیث کا علم ہو۔ اور آپ اس کی تاویل رسول اللہ صلے اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف کریں۔

ایک صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میں جنبی ہوگیا تھا۔ پانی نہیں ملا اور میں نماز بھی نہیں پڑھ سکا۔ آنحضرت نے فرمایا تم نے درست کیا ـــ ایک اور صاحب نے عرض کیا۔ میں جنبی ہوگیا۔ پانی نہیں ملا۔ تیمم سے نماز پڑھ لی اس سے بھی فرمایا۔ کہ تم نے درست کیا (بروایت سنن نسائی) "

عمار یاسر کی روایت کا ایک ٹکڑا اور پھر دو اقتباسات میں درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (عمار کا یہ بیان سن کر) حضرت عمر نے فرمایا ـــ اللہ سے ڈر۔ جواب دیا۔ یہ حدیث کسی کو سناؤں۔ فرمایا ـــ یہ آپ کی مرضی ہے۔ اصل الفاظ یوں ہیں :-

فقال عمر اتق الله یا عمار فقال ان شئت فلم احدث به فقال عمر نولیک ما تولیت (بخاری و مسلم)

یہ الفاظ ہمارے بہت کام کے ہیں۔ جب انہیں سنن نسائی کی روایت سے

لہ فقہ عمر۔ ص ۳۸ - ۳۹

Marfat.com

ملا کر دیکھا جاتا ہے۔ تو اس عدم اتفاق (مابین عمر رضؓ و یاسر رضؓ) کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے دونوں کی تاویل کو ناپسند نہیں فرمایا۔ یاسر رضؓ کے طریقہ تیمم میں نقص تھا۔ اسے دور کر دیا۔ اور آیاتِ قرآنی سے جو نتیجہ حضرت عمر رضؓ نے نکالا تھا اس پر سکوت فرمایا گیا۔ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے ان آیات کا ذکر ایسے رنگ میں کیا ہے کہ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا مفہوم نہایت واضح اور بدیہی ہوگا۔ مگر صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن کی یہ دو آیات حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر بھی تھیں۔ اور عمار یاسرؓ بھی ان سے واقف تھے۔ اور یہ واقعہ ان آیات تیمم کے بعد کا ہی ہے۔ راوی بھی ان آیات کے وجود سے واقف ہے۔ اور جو طریقہ استہزا تنقید کرتے وقت مولانا موصوف نے اختیار کیا ہے۔ وہ علمی روش سے بہت دور اور قابلِ افسوس ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت عمرؓ ان دونوں آیات میں مَسِّ نِسَاء سے مباشرت مراد لیتے ہیں۔ جماعت مراد نہیں لیتے لہٰذا ان کے نزدیک مباشرت کے بعد تو تیمم روا ہے۔ مگر جماعت کے بعد نہیں۔ ... آیئے ہم اس دعوے کے ثبوت کے لیے قرآن کی آیات پر تدبر کرتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِنْهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

۲ - وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ط وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط

ان دونوں آیات میں حالت جنب کے بعد تَغْتَسِلُوْا (غسل کرکے طاہر ہو جاؤ) اور فَاطَّهَّرُوْا (طہارت غسل کرلو) آیا ہے۔ اور لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے بعد پانی نہ ملنے کی صورت میں فَتَيَمَّمُوْا ہے۔ اگر لٰمَسْتُمُ کے معنی واضح اور متعین ہو جائیں تو آیات کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔ اس تعین معنی کے لیے وحی کے مخاطب اول کا فیصلہ صائب اور صرف آخر ہے۔ اور اسی تعین کے لیے روایات کی طلب کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہر کسی کو اپنی مرضی کے معنی پیدا کر لینے کی گنجائش میسر ہو سکتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:-

"امام شافعی کا یہ ارشاد ہے۔ کہ حضرت عمر اور ابن مسعود دونوں کا اجتہاد آیۂ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ سے مجامعت نہیں بلکہ محض مباشرت (بغیر مقاربت) ہے۔ اس لیے یہ دونوں حضرات اس پہ

Marfat.com

غسل کے قائل نہیں " [1]

یعنی لَمَسْتُم کی صورت میں پانی نہ ملنے پر تیمم حضرت عمرؓ کے نزدیک درست ہے۔ اور جنبی کے لیے روا نہیں۔ لیکن حضورؐ نے اس لفظ کا جو مفہوم دوسرے صحابہ کے سامنے بیان فرمایا تھا جو اس کا علم یقینی طور پر اہل علم کو ہو گیا تو عمار یا سر کی یہ روایت بھی زیادہ نفع بخش اور لائق عمل ہو گئی۔ اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب نے مستفیض فرمایا ہے۔ یہ دورِ فاروقی میں غیر صحیح نہیں تھی۔ نہ ہی ناقابلِ عمل تھی۔ جیسا کہ مولانا موصوف نے صفحہ ۹۶ پر استدلال کیا ہے — ان کا یہ ارشاد اب ملاحظہ کیجئے۔

" قرآن میں اگر کوئی آیت تھی تو ہوا کرے۔ جب تک کسی روایت کی پشت پناہی نہ ہو۔ بے چاری آیت تنہا کیا کر سکتی ہے " صفحہ ۹۶

بندہ پرور! قرآن کی دونوں آیات میں زیر بحث لفظ کا مفہوم زبانِ رسالت کا محتاج ہے۔ جب آپؐ کا بتایا ہوا مفہوم معلوم ہو گیا۔ تو آیت اس وقت واضح ہوئی۔ اسی تعین مفہوم کے لیے تو احادیث کا ذخیرہ قیمتی اور ضروری ہے اس سرمایہ سے قطع نظر کر کے سب سے پہلا نقصان جو اسلامی تعلیمات کو پہنچتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کا وہ مفہوم متعین نہیں ہو سکتا جو قرآن والے نے سمجھا تھا۔ اب رہی پوشیدہ علت والی بات۔ سو وہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک ملامسہ سے مراد مباشرت تھی۔ مجامعت نہیں تھی۔ نیز جب مولانا موصوف اس روایت کو گھڑا ہوا بتا رہے ہیں۔ تو ان کا یہ نتیجہ نکالنا کیسے درست ہے کہ " سب سے

---

[1] فوٹ نمبر ۱ صفحہ ۹۶ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر کو نہ تو حضرت عمار منکر حدیث کہتے ہیں۔ نہ دیگر صحابہ۔ ص ۹۵۔

یہ نتیجہ تو تب درست تھا۔ جب مولانا اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے اور یہ بتاتے کہ حضرت عمر نے حدیث کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور پھر بھی انہیں کسی نے منکر حدیث نہیں کہا لہذا اے پاکستان کے علماء تم بھی جدید منکرین کو منکرین حدیث نہ کہو۔ جب آپ روایت ہی کو غلط قرار دے رہے ہیں تو اس سے وہ نتیجہ نکالنے کے کیسے مجاز ہیں جو اس کی صحت کی رو سے نکال سکتے تھے۔ رہا یہ سوال کہ "کیا اس کے لیے بھی کسی کو تیار پائیں گے کہ ایسی مشتبہ روایات کو صحاح و سنن سے خارج کر کے صرف صحیح روایات کو باقی رہنے دیا جائے"۔ ص ۹۸

صرف مولانا موصوف ہی نے یہ مشورہ نہیں دیا۔ بلکہ دوسرے چند کرم فرما بھی ان کے اس ارادہ میں شرکت سے سرفراز ہیں۔ ان میں سے ایک کرم فرما سے متعلق ذیل کی سطور ملاحظہ ہوں۔

مدیر طلوع اسلام فرماتے ہیں :-

"شروع دسمبر میں لاہور میں انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ ہوا۔ جس میں ایک نشست حضور سالت مآب کی سیرت طیبہ کے تذکار جلیلہ کے لیے مخصوص تھی۔ اس نشست کی صدارت سپریم کورٹ کے (سابق) جج، جسٹس محمد شریف صاحب (چیرمین سابق اسلامک لا کمیشن، ورکن پاکستان آئین کمیشن) نے فرمائی، اس سلسلہ میں جو روئیداد اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا متعلقہ حصہ حسب ذیل ہے"۔

مولانا غلام مرشد نے علمائے اسلام کی اس فروگذاشت پر کڑی نکتہ چینی کی کہ بعض

ایسی ضعیف روایات ہمارے اسلامی لٹریچر میں اب بھی موجود ہیں، جن سے نبی اکرمؐ کی بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے۔ حتیٰ کہ حضورؐ پاکؐ کی ازواجِ مطہراتؓ پر نمایاں حملوں کا مواد ہماری کتابوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس بے ادبی کا باعث اور بدطینت نقادوں کے مواخذ کو حذف کرنا حضورِ نبی کریمؐ سے محبت کا تقاضا اور ان کی غلامی کا اوّلین مطالبہ ہے۔

آپ نے مزید کہا، رسول پاکؐ کی تکریم کے لیے ان روایات کو مسترد کر دینا چاہیے جو کسی بھی طرح حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کو مسخ صورت میں پیش کرتی ہیں۔

انجمن کے صدر مولانا غلام محی الدین قصوری نے پیش کش کی کہ وہ علمائے پاکستان کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی دعوت دیں گے۔ اور پاکستان سے باہر بھی لائبریریوں میں محفوظ اسلامی لٹریچر میں سے ان روایات کی نشاندہی کی جائے گی۔ جو اسلام کے بدخواہ بہتان لگانے کی غرض سے بالعموم استعمال کرتے ہیں۔ وہ دنیا ملک ایک تحریک پیدا کر کے اپنے علمی ذخیرہ کو توہین آمیز مواد سے پاک کیا جائے گا۔ انجمن حمایت اسلام اس مقصد کے لیے روپیہ صرف کرے گی کہ سیرت حضورِ اکرمؐ پر مستند لٹریچر شائع کیا جائے۔

اس مبارک و مسعود تحریک کا ہر اس گوشے میں بدل استقبال ہوا جو حضورِ رسالت مآبؐ کی عظمت و توقیر کو باعثِ تقویت ایمان اور وجہِ سعادتِ دارین سمجھتا ہے۔ لیکن آپ یہ معلوم کر کے متعجب اور متاسف ہوں گے کہ ہماری بدنصیب قوم میں ایسے عناصر بھی موجود ہیں جنہیں یہ تحریک بھی بے حد ناگوار گزری ہے اور وہ اس کی مخالفت کے لیے میدان میں اتر آئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ یحسبون کل صیحۃ علیہم (۶۳/۴) کہیں پتہ بھی کھڑکے تو ان کا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے۔

Marfat.com

کہ کوئی اور آفت ہم پر آئی۔ چنانچہ (سابق) جماعتِ اسلامی کے نقیب، ہفتہ وار ایشیا جس کے مدیر نصر اللہ خاں صاحب عزیز ہیں) کی ۲۰ دسمبر کی اشاعت میں "مرض تشکیک کے بیماروں سے" کے عنوان سے ایک مقالہ افتتاحیہ شائع ہوا ہے۔ ہم اس مقالہ کو (اس کی طوالت کے باوجود) بہ تمام و کمال درجِ ذیل کرتے ہیں۔ تاکہ اس نازک ترین مسئلہ سے متعلق، اس گروہ کی پوری بات قارئین کے سامنے آجائے۔ ملاحظہ فرمایئے :۔

بیان کیا گیا ہے کہ عالمگیری مسجد (لاہور) کے خطیب مولانا غلام مرشد نے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے علمائے اسلام کو توجہ دلائی کہ اسلامی لٹریچر میں کچھ ایسی روایات راہ پا گئی ہیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بے ادبی ہوتی ہے۔ اور مستشرقین ان کو سند بنا کر اسلام کے خلاف اعتراضات کرنے کا موقع حاصل کرتے ہیں۔ مولانا نے مشورہ دیا کہ ان روایات کو اسلامی لٹریچر میں سے حذف کر دینا چاہئے۔

ہم نہیں سمجھ سکے کہ جب مولانا غلام مرشد اس قسم کا مشورہ دے رہے تھے تو وہ ہوش و حواس میں تھے یا ماحول کی سحر انگیزی نے ان پر نشے کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ اس امر سے قطع نظر کہ اس قسم کے کسی اقدام کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ جسے اہلِ علم کی کسی مجلس میں بیان کیا جانا چاہیے۔ یا کہ یہ ایک عوامی مسئلہ ہے جسے عوام کی حمایت حاصل کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ اور انجمن حمایتِ اسلام کا سالانہ جلسہ ہرگز اس کے تذکرے کے لیے موزوں نہ تھا۔ اور اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آڑ میں "انکارِ حدیث" کے فتنے کی حمایت کی جائے۔ بے چارے عوام کو کیا

Marfat.com

معلوم کہ اسلامی لٹریچر میں جن عیوب و نقائص کی نشاندہی کی جارہی ہے۔ ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اور مستشرقین کے اعتراضات کا ہدف ضعیف روائتیں نہیں بلکہ خود اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔ یورپ کے پادریوں اور یہودی عالموں نے اسلام پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ اس لیے نہیں کہ ان اعتراضات کا کوئی محل ہے۔ بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ مسیحی اقوام کو ملتِ اسلامیہ کے خلاف اشتعال دلایا جائے۔ اور انہیں مسلمان ممالک پر تسلط جمانے پر آمادہ کیا جائے۔ اور اس تسلط کے لیے خود مسلمانوں کے اندر ایک احساس کہتری پیدا کیا جائے۔ ظاہر کہ اس سیاسی پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر اسلامی لٹریچر کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لینا کسی باغیرت مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ نہیں کہ ہر اسلام کے خد و خال کی قطع و برید کرنا شروع کر دیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مبنی برحق ہونے کی دلائل فراہم کی جائیں اور جارحانہ تحریک کے معترضین کا منہ بند کر دیا جائے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی لٹریچر کوئی ایسی شے ہے جو کسی ایک کتاب، گھر میں بند ہے کہ علمائے اسلام کا کوئی بورڈ بیٹھے۔ اور جس طرح یورپ کے مسیحی علماء کنونشن منعقد کرتے تھے۔ اور بائبل کا ترجمہ کر کے اپنی مرضی کے مطابق اس میں مطالب شامل کر دیتے تھے۔ وہ بھی اسلامی لٹریچر میں حسبِ منشاء اصلاح و ترجمہ و رونما کر دے۔ اس کے بعد وہ سارے باقی لٹریچر کو نذرِ آتش کر دے اور جب کوئی مستشرق کسی بات پر اعتراض کرے۔ تو اس سے کہہ دیا جائے کہ دکھاؤ کہاں وہ بات موجود ہے۔ مولانا غلام مرشد ایک دو مطالعہ عالم دین ہیں۔ وہ ذرا غور فرمائیں کہ اس قسم کا کوئی اقدام عملاً ممکن ہے؟ اور اگر ممکن نہیں۔ اور چودہ سو برس میں جو لٹریچر تیار ہوا ہے اس پر

Marfat.com

خطِ نسخ پھیرنا ملاً ناممکن ہے تو یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ خود ہی ہتھیار ڈال کر اعتراف کر لیا جائے کہ یہ باتیں مستشرقین کی بے ایمانی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ خود علمائے سلف ہی نے اس کا مواد فراہم کر کے ان کو مہیا کیا ہے۔

مولانا غلام مرشد ہی اندازہ لگائیں کہ وہ اسلام کے حق میں کتنی غلط اور کتنی خطرناک صورتِ حال پیدا کر رہے ہیں۔ اور اگر ان کی رمعاف کیا جائے) اس "احمقانہ" تجویز پر عمل کرنے کے لیے فی الواقع کوئی مسلمان قوم تیار ہو جائے تو وہ کفار مستشرقین کی خدمت کرے گی۔ یا اسلام کی عزت قائم کرے گی۔ اس کے بعد تو مسلمانوں پر حجت قائم ہو جائے گی کہ مستشرقین کے اعتراضات درست اور بجا تھے۔ اسی لیے تو مسلمانوں نے اس "بارِ گناہ" کو چھپانے کی کوشش کی۔

اور ہمیں معاف کیا جائے۔ اس قسم کا عذر خواہانہ اور شرم آمیز رویہ اختیار کرنے میں مولانا غلام مرشد نہ تنہا ہیں اور نہ پہلے آدمی ہیں۔ اصل میں یہ ایک "چور" ہے جس نے ابتداء سے ان اہلِ علم کے قلب و ضمیر میں نقب لگائی ہے۔ جن کے اپنے ایمان و یقین کی دیواریں کمزور اور بوسیدہ تھیں۔ حقیقت میں ان کا اپنا دل تشکیک کے مرض کا شکار تھا۔ غیر مسلم معترضین کا تو محض بہانہ تھا۔ خود ان کا اطمینان اسلام کی تعلیمات کے بارے میں متزلزل ہو چکا تھا۔ لہٰذا جوں ہی کسی غیر مسلم معترض نے قرآن و سنت کے کسی پر اعتراض کیا۔ انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ لیکن چونکہ وہ بہرحال مسلمان رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے یا تو انہوں نے تاویل کر کے پیچھا چھڑایا یا پھر اس پہلو کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ قرآن و سنت کے بارے میں تحریف و تاویل اور انکار کے جتنے فتنے اٹھے ہیں۔ اور جن کا قلع قمع کرنے کے لیے ائمہ ہدیٰ نے سر دھڑ کی بازی لگائی ہے

وہ اسی "بے یقینی" کے مارے ہوئے "علماء" کے اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے کا فتنۂ خلق قرآن اسی ذہن کا کرشمہ تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کا "دینِ الٰہی" اسی کارخانے نے تیار کیا تھا۔ سرسید مرحوم کا علم کلام اسی مرعوب ذہنیت کی پیداوار تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی دعوت اسی کا شاخسانہ تھی۔ اور آج انکارِ سنت اور اسلام کی ترمیم و تنسیخ و اصلاح کے جو غلغلے سننے میں آتے ہیں وہ اسی "مرضِ تشکیک" کے انڈے بچے ہیں۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا تھا کہ "آدم ہے پیرِ راز سب بے یقینی"۔

ہم پورے حزم و یقین اور اذعان کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اس دعوے کے لیے ہمارے پاس ناقابلِ تردید دلائل ہیں کہ اسلامی لٹریچر میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس پر کوئی مومن شرمائے۔ اور اسلامی لٹریچر سے مراد ظاہر ہے کہ وہ لٹریچر ہے جو اہلِ علم کے نزدیک مستند ہے۔ واعظوں کی کہانیاں اور شاعروں کی خرافات نہیں۔ اور مولانا غلام مرشد ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ کہ وہ مستند لٹریچر کیا ہے۔ علمائے اسلام ابتدا سے وہ کام کرتے آئے ہیں جس کی فی الحقیقت ضرورت ہے۔ اور اب اگر کسی مزید اقدام کی حاجت ہے تو یہ ہے کہ جاذبِ نظر اور مدلل طریق پر اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے اور مسلمانوں کو عملاً اسلام کا پابند بنایا جائے۔ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو خطرہ کفار و مستشرقین کے اعتراضات سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی اپنی بے عملی اور خلافِ اسلام عمل سے۔ اگر کرنے کا کام ہے تو یہ ہے۔ [1]

---

[1] طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۶۱ء صفحہ ۷

Marfat.com

ان اقتباسات کے پیش کرنے سے ہماری غرض یہ ہے۔ کہ

ان سادہ لوح بزرگوں کی اصلاح پسندی اور ملبوسات دینی کو ڈرائنگ کلین کرانے کا یہ مشورہ نہایت نقصان دہ ہے۔ مغرب کے نقاد اور آریہ معترضین بھی تو یہی کچھ کہتے آئے ہیں۔ ان کے اعتراضات کا جو دندان شکن جواب علماء نے اسلام دیتے رہے ہیں۔ آج کے جدید نقادوں کو بھی اسی نہج پر سنبھالا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ دل میں خدمتِ اسلام کا جذبہ ہو۔ اور نگاہِ تہذیب حاضر کی چمک سے خیرہ نہ ہو گئی ہو۔

منکرین حدیث اپنے نام کے ساتھ منکرین حدیث کا الحاق پسند نہیں کرتے۔ اور اس "ناپسند" کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ "ہم تو حدیثِ رسول کے منکر نہیں۔ بلکہ حدیث پر ہماری تنقید کا مقصد یہ ہے کہ جو سرمایہ علمی حضورؐ سے منسوب کیا جاتا ہے وہ ظنی اور ناقابلِ اطمینان ہے اگر کوئی ایسی حدیث مل جائے جو حضورؐ کی ہو تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

اور اس اقرار کے فوراً بعد یہ ارشاد ہوتا ہے کہ حضورؐ کی صحیح احادیث کی تعداد تین چار سے زیادہ نہیں ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس وضاحت کے بعد سابقہ اقرار کی کوئی

Marfat.com

اہمیت باقی نہیں رہتی - حدیث کے ان جدید ناقدین کا یہ انداز نہایت خطرناک ہے -

ہم نے آئندہ اوراق میں اس بات کی کوشش کی ہے - کہ منکرین حدیث کے اکابر کی تصانیف کے حوالے پیش کر کے ان کے غلط طریقِ کار کی نشاندہی کی جائے - اور ملک میں اس رُجحان کو رد کرنے کے لیے مسلمانوں کو تا بمقدور خبردار کیا جائے -

ہم نے منکرین حدیث کی تحریروں کے حوالے دیتے وقت پوری دیانت داری سے کام لیا ہے - اور ان حوالہ جات کو ان کے سیاق و سباق کی روشنی میں اچھی طرح سمجھ کر اور ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگا کر اصلی معنوں کے ساتھ پیش کیا ہے - اگر کہیں ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے ہوں تو امید ہے کہ یہ ناکامی سہو و خطا قرار دی جائے گی -

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ منکرین حدیث کی جانب سے پیش کردہ اصلاح کو ہم اس کی صحت کی وضاحت ہو جانے پر قبول کریں گے اور دوسرے ایڈیشن میں اسے بخوشی مدرج کیا جائے گا -

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے منکرینِ حدیث متنازعہ فیہ مسائل

Marfat.com

کے حل کے لیے قرآن سے رجوع کرنے کے داعی تھے۔ اور ضرورت پڑھنے پر کسی غیر جانب دار ثالث کے تقرر پر کسی نہ کسی طرح رضامند ہو جاتے تھے۔ اگرچہ وہ اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر ثالث کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے تاہم بحث میں دلچسپی رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ بآسانی صحیح رائے قائم کر لیتے تھے۔ لہذا ان پرانے منکرینِ حدیث کی یہ افتادِ طبع تبلیغی نقطہ نظر سے قابلِ ستائش تھی [1]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "اقبال اور منکرین حدیث"

جدید منکرین حدیث

کے

چند پیشرو داعیوں کا اسلحہ خانہ

آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے اسی شہر لاہور سے ایک آواز بلند ہوئی۔ کہ اسلام وہ نہیں جو رائج ہے۔ بلکہ اسلام پورے کا پورا قرآن۔ تنہا قرآن کے اندر موجود ہے۔ یہ ابتدائی قدم تھا۔ بنیادی صداقت کی طرف، لیکن اس میں ٹھوکر کا بہت تھی۔ لغزشیں تھیں۔ اس کا دعوے صحیح، دلائل صحیح، لیکن جو اسلام اس کے داعیوں (داعی اول مولوی عبداللہ چکڑالوی مرحوم) نے پیش کیا۔ وہ بھی مروجہ اسلام ہی کی طرح ایک فرقہ بنداز کوشش تھی۔ جو پنپ نہ سکی۔ لیکن فضاء میں ایک عظیم گونج چھوڑ گئی۔ طبائع میں تجسس پیدا ہو گیا۔ لگ بھگ اس زمانہ میں عظیم آباد پٹنہ میں شمس العلماء مولانا محب الحق عظیم آبادی نے ایک سلسلہ تصانیف شروع کیا۔ جس کی تکمیل شرعۃ الحق، بلاغ الحق نام کی دو کتابوں پر ہوئی۔ جن میں پوری سنجیدگی اور غیور و تبحر کے ساتھ ثابت کیا۔ کہ مسلمانوں کی عالمگیر بربادیوں کی ذمہ دار وہ متضاد حدیثیں ہیں۔ جن پر ہر فرقہ ایک دوسرے سے الجھنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ اور کامل دین صرف قرآن میں ہے۔ یہی نعرہ دہلی جامعہ علیہ سے حضرت مولانا حافظ محمد اسلم مدظلہ جیراج پوری نے بلند کیا۔ آپ کا ہر حد درجہ متین و مدلل ہے۔ بہاولپور کے ایک دوسرے بزرگ حضرت حماد صاحب مدظلہ بھی اس میدان کے شہسوار ہیں۔ اس متبرک صف میں صرف آپ ہی ہیں۔ جو باوجود پیرانہ سالی کے اب تک خدمتِ قرآن کر رہے ہیں۔ پنجاب کے

Marfat.com

تجارتی مرکز امرتسر مرحوم میں یہ کام اللہ تعالیٰ نے خواجہ احمد الدین مرحوم کے مخلص رفقاء سے لیا۔ مولانا اسلم کا لگایا ہوا بیج ماہنامہ طلوع اسلام کی شکل کراچی میں پھل پھول رہا ہے۔ اور خواجہ احمد الدین مرحوم کی، روح جریدہ البیان، لاہور میں کام کر رہی ہے۔ یہ وہی البیان جس نے "طلوع اسلام" کے مصنف کی حیرت انگیز تبلیغی تصنیف دو قرآن کو مسلسل قوم کے سامنے پیش کیا"۔ ۱؎ (مدیر البیان)

۔ رسالہ البیان کے مدیر کا یہ اقرار ہماری خاص توجہ کا طالب ہے۔ گویا

(۱) مولوی عبداللہ چکڑالوی۔ ۲۔ مولوی محب الحق عظیم آبادی۔ ۳۔ مولانا محمد اسلم جیراجپوری۔ ۴۔ تمنا عمادی۔ ۵۔ خواجہ احمد الدین۔ ۶۔ غلام احمد پرویز (مدیر طلوع اسلام)۔ ۷۔ قمر الدین قمر (مدیر البیان)۔ ۸۔ غلام جیلانی برق۔ انکار حدیث کے علمبرداروں میں نمایاں شخصیتیں ہیں۔ اس فہرست میں مدیر البیان نے نگار کے مدیر نیاز صاحب فتح پوری کو کیوں شامل نہیں کیا۔ یہ "سہو" و "خطا" یہ اعراض کیوں؟

حقیقت یوں ہے کہ جدید منکرین حدیث نیاز فتح پوری کے حلقہ نیاز کے پروردہ ہونے کے باوجود ان کا ذکر خیر اس لیے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کہ وہ ان کی طرح گندم نما جو فروش نہیں تھے۔ وہ اپنے عقاید کا اظہار ببانگ دہل کرتے تھے۔ وہ خدا کے منکر تھے۔ قرآن سے بے نیاز تھے۔ مذہب کو حرف غلط کی طرح مٹانا چاہتے تھے۔ دنیا کے ہر نظام سے انتخابیت کے نظام کو اعلیٰ سمجھتے تھے۔ اور اس کا اعلان کرتے تھے۔ انہیں دل کی بات چھپانے کی اتنی مہارت نہیں تھی۔ جتنی جدید منکرین حدیث کو ہے۔ وہ حدیث کے بھی منکر تھے۔ اور قرآن کے بھی۔ ان میں اور ان میں فرق صرف اتنا ہے۔ کہ وہ قرآن کو رسول اللہ کا کلام

۱؎ طلوع اسلام ص ۳۰ — ۳۱

Marfat.com

کہتے تھے۔ اور حدیث کو اسی طرح قرآن بے معنی گردانتے تھے۔ یہ بزرگوار حدیث کو ظنی کہتے ہیں۔ اور قرآن کے معانی جدید لغت سے نکالتے ہیں۔ نتیجہ سب کرم فرماؤں کا ایک سا ہے۔ اس دور کے دوسرے منکرین حدیث عبداللہ چکڑالوی صاحب، مولانا حشمت علی صاحب، خواجہ احمدالدین صاحب نے بھی اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے میں مغالطہ دہی سے کام لیا ہے۔ لہٰذا مدیر البیان ان کا پورا پورا ہم نوا نہیں۔ اور صرف اتنا ساتھ دیتا ہے کہ ان کا بعض صحیح اور دلائل صحیح تھے۔

اس طرح یہ جملہ داعیان دو حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح ان کے کارناموں کے مطالعہ میں آسانی ہوگی۔

۱۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی صاحب۔ ۲۔ محب الحق صاحب عظیم آبادی ۳۔ علامہ تمنا عمادی صاحب۔ ۴۔ خواجہ احمدالدین صاحب۔ ۵۔ نیاز فتح پوری۔ ۶۔ سید مقبول احمد صاحب۔

حافظ محب الحق صاحب

حافظ محب الحق صاحب مرحوم حدیث کے منکر تھے۔ تمام مسلم و متفق علیہ فرائض و واجبات کو قرآن مجید سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ کسی مسلم و متفق علیہ اسلامی شعائر کے منکر نہیں تھے۔ یہی حال اکثر مسائل میں ان کے صحبت یافتہ جناب تمنا عمادی پھلواروی کا ہے۔ مولوی سید محی الدین صاحب، تمنا عمادی شیخ پھلواروی، پھلواری کی خانقاہی سیاست میں پھنس کر پہلے خانوادہ مجیبیہ پھلواری کے حلیف ہوئے۔ پھر فتنی تصوف کے دشمن بن کر بعد میں ایصال ثواب کا انکار کیا۔ پھر تمام قرآن تمام

روایات کا انکار کر بیٹھے۔ یہ ترتیب معکوس آخر انہیں اس مقام پر لے آئی۔ جہاں سے عام منکرین حدیث اپنا سفر شروع کرتے ہیں۔ ان منکرین میں بعضے بعضے رسول کو شارع مانتے ہیں۔ مگر روایت کی صحت کے منکر ہیں سنت متواترہ پیش کی جاتی ہے۔ تو کچھ دیر کے لیے سر خم کر دیتے ہیں۔ ہمارے مولانا تمنا عمادی کا چھ سات برس پہلے تک یہی حال تھا۔ انکار کے مقابلہ انکار، حق گو، بھی حضرت سید صاحب قبلہ کی تبلیغ و تلقین سے آخر میں اس مقام پر آگئے تھے۔ مگر ان کی بڑی تعداد (خاکم بدہن) نبی کو ڈاکیہ سے زیادہ حیثیت نہیں دیتی،، [1]

تمنا عمادی صاحب کی نگارشات ——— "حق گو" صاحب یعنی سید مقبول احمد صاحب کی کتاب مطالعہ حدیث کے صفحات ۱۰۰ - ۱۰۵، (مضمون متعلق دجال) ۲۲۰-۲۲۶ (ابصنل ثواب) ۲۳۰ - ۲۵۰ (التاریخ المستند لمسند الامام احمد) ۲۶۷-۲۸۴ (حکم وصیت و قانون وراثت) پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا اسلوب دوسرے منکرین سے ہم آہنگ ہے۔

جدید منکرین کے ہاں ان کی تنقید کی صدائے بازگشت موجود ہے۔ پرویز صاحب نے قانونِ وراثت پر بحث کرتے ہوئے اپنے اس امام کے خیالات سے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ تمنا صاحب کے "ارشادات" کا محاکمہ اتنا سود مند نہیں ہے۔ جتنا کہ ان کے پیروؤں کے انکار کا۔ لہذا ہم جدید منکرین کے افکار پر بحث کرتے وقت قدیم منکرین حدیث کے جواہر پاروں کو بھی پیش نظر رکھیں گے۔

یہ دائمی ——— (قدیم منکرین) اگلی پچھلی رکھے بغیر حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

---

[1] سنت رسول تعارف از مسعود عالم ندوی

Marfat.com

۱- محمد اسلم حیرا جپوری - ۲ - قمرالدین صاحب قمر - ۳ - غلام جیلانی برق - ۴ - غلام احمد صاحب پرویز - نیز ان کے رفقاء کار ——— یہ کرم فرما مقابلتاً مصلحت کوش ہیں — ان میں اسلم صاحب موصوف اور غلام احمد پرویز صاحب - یعنی استاد اور شاگرد دونوں - الفاظ کی قدر و قیمت سے آگاہ ، ابہام پیدا کرنے میں ماہر ، تاویل کے شہنشاہ ، تحریف کے خداوند - حالات کے نباض بے بدل ، باہمت اور محنت کش ہیں - انہیں ملتِ اسلامیہ کے جذبات کے ایک ایک موڑ سے آگہی ہے - لہذا ان کی تحریریں زیادہ غور طلب - اور ان کے حملے سنتِ نبوی کے قلعہ حالیہ کے لیے نہایت نقصان دہ ہیں -

اب ہم قدیم منکرین کے چند حملوں کی سرگذشت بیان کرتے ہیں - اس پیشکش کے دوران ہی میں یہ بات بھی واضح ہو جائے گی - کہ نیاز صاحب فتح پوری کے ساتھ قدیم و جدید منکرین حدیث کو نیازمندی ہے یا نہیں ہے -

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی اور خواجہ احمدالدین صاحب - اس وقت کے علماء کے ساتھ مناظروں میں جس طرح ناکامی سے ہمکنار ہوئے ہیں - اس کا مختصر سا حال ہم اقبال اور منکرین حدیث میں بیان کر آئے ہیں - لہذا اس کا اعادہ بے سود ہے ——— محب الحق صاحب عظیم آبادی اور علامہ تمنا عمادی کے جواہر پاروں کو طلوع اسلام اور البیان میں استعمال کیا جا رہا ہے - لہذا طلوع اسلام کے کارنامے گناتے وقت گویا ہم ان گذشتہ صلحاء کے کارنامے ہی گنا رہے ہوں گے ——— نیاز صاحب کے نیاز آپ متعلقہ باب میں حاصل کر چکے ہیں - لہذا ہم سردست سید صاحب مقبول احمد کے تسویدات سے بحث کریں گے -

Marfat.com

نماز:-

نماز کو عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں۔ نماز عجمی لفظ ہے۔ اور اس کی اور سنسکرت کے الفاظ کی ایک ہی اصلیت ہے۔ صلوٰۃ کے لفظی معنی کیا ہیں۔ اس میں بہت اختلاف ہے۔ بعضوں کی رائے ہے کہ صلوٰۃ صلوین یعنی چوتڑوں کے ہلانے کے معنی میں آتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دعا اور درود کے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے۔ کہ صلوٰۃ کے معنی کسی طرف جھکنا ہے۔ یا اونٹ کی نشست ہے۔ لیکن درحقیقت یہ لفظ عربی کا نہیں ہے۔ بلکہ اسوری ہے۔ جس کے معنی بھیک مانگنا ہے۔ اور عبرانی میں صلوٰۃ کی اصطلاح نماز کے لیے ہے۔ گویا کہ موجودہ یہود میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے۔ قرآن میں نماز کی تعدیل و ترکیب و ترتیب کا ذکر نہیں۔ سوائے اس کے کہ آیہ صلوٰۃ ظرف میں ایک اشارہ اس بات کا پایا جاتا ہے۔ کہ نماز میں پہلے کھڑے ہوتے تھے۔ اور سجدے کے بعد ختم کر دیتے تھے۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں رکوع، قیام، سجدہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر التحیات، سلام و دعا کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ مگر یہ بالکل صحیح ہے کہ رسول اللہ صلعم نے نماز کو ایک خاص طریقہ سے پڑھا ہے۔ اور چونکہ آپ کا یہ ایک مشہور و ظاہر فعل تھا۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ کثرت سے رسول اللہ صلعم کی نماز میں لوگوں نے اقتدا کی۔ پھر اخلاف سے اسلاف کو دیکھا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ سلسلہ بہ سلسلہ وہ طریقہ جاری نہ رہتا۔ اور بھلا دیا جاتا۔ غالباً اسی واسطے قرآن شریف نے نماز پڑھنے کی ترکیب کو مفصل بیان نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی سنت متواترہ سے ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ

قوموں کے اختلاف، عادات و معاشرت میں قرآن کا ایک خاص طریقہ کو فرض کر دینا یا اس پر اصرار کرنا مناسب نہ تھا۔" [1]

گویا ان کے نزدیک مختلف العادات اقوام نماز کی ترکیب و ترتیب میں بھی فرق کر سکتی ہیں۔

"قرآن سے جو اوقات نماز واضح ہیں۔ وہ صرف فجر، عصر اور عشاء کی نماز ہے۔ ظہر اور مغرب کا کہیں ذکر نہیں۔ اور یوں بھی درحقیقت ظہر اور مغرب کوئی وقت نہیں بلکہ محض اوقات عصر و عشاء میں تقدیم و تاخیر سے پیدا ہوتا ہے۔" [2]

"وہ (زنادقہ) مسلمانوں کو معاشرتی اور کاروبار کی ترقی سے محروم کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کے ساتھ اسلام کو ایک سخت و ناقابل عمل مذہب دکھلا کر عوام کو اس سے سرگشتہ کرنا چاہتے تھے۔ مجھے یہاں اس کا ذکر کر دینا چاہیئے۔ کہ بعض مستشرقین کا گمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات صلوٰۃ میں پانچ وقت کی تعین کو مجوس سے سیکھا۔ فون کریمر، اور گولڈ زیہر کی یہی رائے ہے۔ مگر ان دونوں جرمنوں کا یہ وہم و گمان ہے۔ جیسا کہ میں نے قرآن سے دکھایا ہے۔ قرآن کی کسی آیت سے پانچ وقت کی نماز ثابت نہیں ہوتی..... ہاں یہ ضرور ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ ان فقہا نے جو مجوس کے ساتھ عراق و عجم میں تھے۔ انہوں نے مسابقت کے خیال سے اپنی عبادتوں کو مجوس سے کم پسند نہ کیا۔ اور اوقات صلوٰۃ میں حدیثیں وضع کی گئیں۔" [3]

---

[1] مطالعہ حدیث ص ۱۴۸۔ [2] ایضاً ص ۱۴۹

[3] ایضاً ص ۱۴۹—۱۵۰

Marfat.com

جب ارکان کے ادا کرنے اور ترتیب کو قرآن سے ثابت نہ کر سکے تو یہ مان لیا کہ سنت متواترہ کی رو سے یہ طریقہ درست ہے۔ لیکن تعداد کو چونکہ ناپسند کرتے تھے۔ لہذا یہاں سنت متواترہ کو قبول نہیں کیا۔ اور پانچ وقتوں کو فقہا کی اختراع قرار دے کر جو من مستشرق کے اعتراضات سے بھی رہائی پا لی۔ اور مسلمانوں کو کام کرنے کے لیے وقت بھی عنایت فرما دیا۔ اور قرآن کی ہمنوائی کی سعادت بھی لے لی۔ اس سے بڑھ کر اجتہاد و تفکر کا نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ نعرہ لگاتے رہتے ہیں کہ حدیث وہی صحیح ہے جو قرآن کے موافق ہو۔ اس موافقت قرآن سے مراد ان لوگوں کی یہی ہوتی ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے جو معنی یہ کریں حدیث ان معانی کی تائید کرتی ہو۔ تو موافق قرآن ورنہ وضعی۔ اب یہ موافقت قرآن کی موفقت ہوئی یا منکرین حدیث کی۔ چونکہ یہ صاحب نماز کی تعداد تین بتاتے ہیں۔ لہذا تحقیق ذیل ملاحظہ ہو:۔

• نماز پنجگانہ اسلام میں کیونکر پیدا ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب معراج کی حدیث وضع ہوئی۔ یعنی ساتویں صدی ہجری میں حدیث میں صلوٰۃ خمسہ کی تائید میں اول تو وہی روایت ہے۔ جو میں معراج کے عنوان میں بیان کر چکا ہوں۔ ایک روایت میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل پانچ وقت آکر رسول اللہ صلعم کے ساتھ نماز پڑھ گئے تھے۔ مگر ازبسکہ جبرئیل کا دیکھنے والا رسول اللہ صلعم کی ذات کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یہ روایت سماعی ہو جاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ نے اس کے سامنے پانچ وقت نمازیں پڑھ کر دکھلائیں۔ مگر یہ حدیثیں کچھ بھی قابل یقین نہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ مخالف قرآن ہیں۔ ،، [1]

---

[1] ایضاً ص ۱۵۵

Marfat.com

کس قرآن کے مخالف ہیں - اس فہم قرآن کے جو منکر حدیث کو دست نظر آیا ہے ۔
" جمعہ کی نماز ایک علیحدہ وقت میں ایک خاص دن فرض کی گئی ہے - اور ظاہر ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا - جبکہ اس وقت کوئی نماز نہ پڑھی جاتی ہوگی "

اس طرح یہ صاحب صرف ایک دن (جمعہ) کے لیے ظہر کی نماز کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور انہیں یہ خیال نہیں کہ نماز جمعہ کے لیے ظہر کا وقت بھی تو حدیث اور تواتر کی رو سے متعین ہے ۔ قرآن میں کہیں ، جمعہ کے لیے ظہر کا وقت مقرر نہیں ہے - اس لیے منکر حدیث کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے - کہ وہ حدیث کی رو سے مقرر وقت کو صرف ایک دن کے لیے تو تسلیم کرلے - اور باقی چھ دنوں کا تعین نہ مانے - یا تو سب کا انکار کرنا چاہیے یا سب کا اقرار ۔

اوقاتِ صلوٰۃ کے عنوان سے مقبول احمد صاحب نے - اس مضمون (۱۴۶ - ۱۶۳) میں یہ کوشش کی ہے - کہ نماز کے اوقات کم سے کم کر کے ۳ کر دیئے جائیں - معارف میں ان کے مضمون پر جب تنقید کی گئی تو انہوں نے اپنی پوزیشن یوں واضح کی ۔

" میری گذارش یہ ہے کہ ۵ وقت کی بجائے ۵ وقت کی نماز پڑھیے - چشم ما روشن دلِ ما شاد - کافر ہے جو نماز کی اہمیت پر یا کثرت عبادت کی خوبی پر کلام کرے - میرا سوال تو یہ تھا کہ قرآن کی کس آیت سے پانچ وقت کی نماز ثابت ہوتی ہے " [1]

اس کتاب کے دیباچے میں ان کے پیر صاحب اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں :-
" آپ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ اگرچہ دلچسپ ہیں اور ان سے بہت کچھ حدیث کی

---

[1] صفحہ ۱۵۹ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں - ان تینوں میں سے بھی ایک یعنی رات کی نماز بحکم قرآن نافلہ ہے - [2] ایضاً صفحہ ۱۵۹ ۔

Marfat.com

اصلیت پر روشنی پڑتی ہے - لیکن بعض جزئیات میں آپ کے ساتھ اتفاق کرنے کے وجوہ ناکافی ہیں - بالخصوص تعداد ایام صیام اور اوقات صلوٰۃ میں - لیکن یہ اختلاف میرا ایک اصول پر مبنی ہے - یعنی میں اسوہ رسول کو دین مانتا ہوں - جو عمل متواتر کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے - اور اس میں صلوٰۃ پنجگانہ اور روزے پورے مہینہ کے ہیں -" [1]

اسلم صاحب دانا ہیں - اور مقبول احمد صاحب جوشیلے اور "حق گو" - اس اقرار کے باوجود اسلم صاحب کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجئے - وقت پانچ - لیکن نماز میں جو پڑھا جاتا ہے - وہ الحاقی ہے -

" سادات نے نمازوں کے اندر درود میں اپنا حق قائم کر لیا - میں کبھی قیاس نہیں کر سکتا - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مروجہ درود جو نمازوں میں پڑھا جاتا ہے - پڑھتے رہے ہوں - یا اس کے پڑھنے کی کسی کو ہدایت کی ہو - کیونکہ یہ خاندان پرستی ہے - جس سے اسلام کا دامن بالکل پاک ہے -" [2]

اس کے بعد انہوں نے لفظ آل پر اختصار کے ساتھ اظہار رائے فرمایا ہے - اور جو لوگ آل کے معنی تمام امت کے لیتے ہیں - انہیں سادہ دل لوگ کہہ کر آگے نکل گئے ہیں - دیکھئے یہ منکرین حدیث کیسے نماز کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں - جناب مصنف لکھتے ہیں :-

" بلغاریہ کے نومسلم جو پاک کہلاتے ہیں - ان میں سے زیادہ تر ایسے بدبخت ہیں - جنہوں نے عملاً اسلام کو ترک کر دیا ہے - محض اس وجہ سے کہ ان میں سے پانچ وقت کی نماز خصوصاً ظہر و مغرب ادا نہیں ہو سکتی - انہوں نے بہت کوشش کی کہ بلغاری حکومت

---

[1] ایضاً ص ۱۱ [2] ایضاً ص ۱۱

Marfat.com

ان کو فیکٹریوں، سکولوں اور دفاتر میں نماز ظہر کی چھٹی دے۔ .... اس طرح جب دنیا کا کام نہ چلا تو انہوں نے اسلام ہی کو چھوڑ دیا۔" [1]

مہتا مقبول احمد صاحب قرآن سے صرف تین نمازیں ضروری ثابت کرتے ہیں تاکہ اس ملک کے لوگ بھی کہیں "گمراہ" نہ ہو جائیں۔

ع ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

ان کا مضمون "ایام صیام" (۱۹۴۴ — ۱۷۶) نہایت دلچسپ اور مضحکہ خیز ہے۔ انہوں نے انتہائی کوشش اس بات کو ثابت کرنے میں صرف کی ہے۔ کہ روزوں کی تعداد تین ہے۔ معلوم نہیں تثلیث سے انہیں اتنی محبت کیوں ہے۔ نمازیں تین۔ روزے تین۔ یہ دلچسپی انکے چند ہندو دوستوں کے ہاں کم ہو کر "دو" تک محدود ہو گئی ہے۔ "دو قرآن، دو اسلام، وغیرہ ——

لکھتے ہیں :-

"ایاماً معدودات کا اشارہ ثابت کر رہا ہے کہ روزے دس دن سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس لیے درحقیقت روزے جو مسلمانوں پر قرآن کی رو سے فرض معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۰ ۲۱ رمضان سے ۲۹ رمضان یا صبح عید تک ہیں۔ اس میں بعض اختلاف کرتے ہیں۔ اور بعض روزے پر اکتفا کرتے ہیں۔ رمضان کے بقیہ روزے نوافل کا درجہ رکھتے ہیں ..... حدیث سے تین دن کے روزے ثابت ہیں"۔

جب ان کے یہ ارشادات روشنی میں آئے۔ تو ان کی اپنی پارٹی ہی سے ایک بزرگ مفتی محمد دین صاحب وکیل گجرات نے ان کو ٹوکا۔ جس پر یہ صاحب بہت زیادہ ناراض ہوئے۔ بہرحال ہمیں ان بھائیوں کی بحث سے کوئی غرض نہیں۔ البتہ اتنا ضرور واضح ہوتا ہے۔ کہ

---

[1] ایضاً ص۱۱۔

منکرین حدیث کو اپنی پیدائش کے پہلے ہی چند سالوں میں اختلاف کا شکار ہونا پڑا۔ اور جس اختلاف کو وہ احادیث کے سر تھوپتے تھے۔ وہ ان کی قرآن فہمی کے ذمہ بھی پڑ گیا۔

اور اوّل کے منکرین روزوں کے بیان میں دنوں کی کمی بیشی پر زور دیتے تھے۔ جب ان کا یہ حملہ مسلمانوں کے اعتقاد کو متزلزل نہ کر سکا۔ تو ان کے جانشینوں نے حملہ کا رخ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ سے بدل کر يُطِيْقُوْنَهٗ کو طرف کر دیا۔ اور روزے رکھنے کی طاقت اور فدیہ کی بحث میں وہ رنگینی پیدا کی کہ تساہل پسند طبیعت کے لیے ان کی اپیل میں جان پیدا ہو گئی۔ اور یہی ان کا مقصود تھا۔ اب تعداد تیس کی تیس ہی رہ گئی۔ مگر اس تعداد یوم میں روزہ نہ رکھنے والوں کی فہرست تمام مسلمانوں کو محیط ہو گئی۔ زبانی زبانی روزے رہ گئے۔ اور ان سے چھٹی بھی مل گئی ـــــ (بحث صیام مندرجہ بالا ـــــ ملاحظہ ہو)

زکوٰۃ

برق صاحب اور پرویز صاحب کے ارشادات اس موضوع پر آپ پڑھ آئے ہیں۔ اب مقبول احمد صاحب کے فرمودات سنئے :ـــ

"فرض کرو ایک شخص کے پاس خیرات کرنے کو مال ہے۔ مگر فقر کی رو سے اس پر نصاب ابھی واجب نہیں۔ یا وہ ایسی ترکیب کرتا ہے۔ کہ اس پر کبھی واجب نہ ہو گی۔ تم ایسے شخص سے کیونکر خیرات کی توقع رکھ سکتے ہو۔ حالانکہ خیرات تو یہ تھی کہ اس زکوٰۃ کا مفہوم وہی بتایا جاتا۔ جس کے لیے نصاب، وقت کی کوئی قید نہ ہو۔ زکوٰۃ نماز کی طرح ایک فرض روزانہ ہے عیسائیوں میں ہر اتوار کو جب نماز ختم ہو جاتی ہے۔ تو زکوٰۃ جمع کی جاتی ہے۔ اور وہ ٹیک

Marfat.com

کاموں میں خرچ کرنے کے لیے گرجے میں جمع رہتی ہے - کیا اس میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کی بو نہیں آتی - کیا تم بھی نماز جمعہ پڑھ کر ایک آدھ روپیہ زکوٰۃ کا نہیں نکال سکتے - مگر تم نے اپنی روایت پرستی کے آگے قرآن کے صاف و صریح حکم کو پسِ پشت ڈال دیا۔" [1]

بندہ پرور! نادان ہیں - کیا کریں ـــ بقول آپ کے استاد نیاز صاحب کے مسجدوں میں جمع ہونے والے حیوان ہوتے ہیں - آپ سے ایسی دانشمندی کا سبق نہیں لے سکتے - اور عیسائیوں کی ریس نہیں کر سکتے -

برق صاحب بھی زکوٰۃ کے وقت کے تعین کے خلاف ہیں - اور اسے عام خیرات ہی سمجھتے ہیں - مگر مقبول احمد صاحب عیسائیوں سے مشابہت کا بیان کر گئے ہیں ـــ اور وہ مصلحتاً ان کا نام نہیں لیتے -

قربانی و حج :-

دنیا کی مختلف اقوام کے ہاں قربانی کی رسومات کا بیان کرنے کے بعد کوئی عرشی صاحب فرش والوں کو ہدایت دیتے ہیں :-

" ہمارا مدعا یہ ہے - اور کامل وثوق و یقین کے ساتھ دعویٰ ہے - کہ جس طرح قرآن مجید نے سابق رسوم و اطوار کو اعتدال و اصلاح سے نتیجہ بخش صورت میں پیش کیا - اسی طرح قربانی کو بھی وہم و اسراف کی پیشیوں سے نکال کر روحانی، عقلی اور اقتصادی فوائد سے معمور کر دیا ہے " [2]

---

[1] مطالعہ حدیث ص ۱۹۹ [2] ایضاً ص ۲۰۵

ٹھیک ہے — عرشی صاحب ! اسلام اعتدال پسند ہے۔ آپ کا پہلا دار لطیف اور شیریں ہے

"کیا ہم ہر سال اطرافِ عالم میں کروڑوں جانوروں کو بے ضرورت کاٹ کر ضائع نہیں کرتے۔ اور بالخصوص مکہ معظمہ میں لاکھوں جانوروں کو کاٹ کاٹ کر گڑھوں میں نہیں پھینکتے۔ کیا یہ اہلاک نسل نہیں ہے۔ کیا ہم قرآن کے مذکورہ الصدر فتویٰ کے مستوجب نہیں۔ کیا ہم واللہ لا یحب الفساد کے اٹل قانون کے ماتحت خدا کی نگاہ میں محبت سے محروم نہیں ہو گئے۔" [1]

گویا قربانی اسراف بھی ہے۔ اور فساد بھی۔ جب آپ جدید مفکرین کی رائے اس ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔ تو آپ کو فساد کا لفظ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ جدید حضرات زیادہ دانائی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ اور وہ سلیقہ کے ساتھ شعائرِ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ان کے یہ پیشرو جو شیلے تھے۔ اس واسطے ان صاحب کی مخالفت عام اور شدید ہو گئی تھی۔

اب عرشی صاحب کے مضمون پر مقبول احمد صاحب کا تتمہ دیکھئے۔

"یہ کہنا نادانی ہے کہ حج اسلام میں ایک وقت معین پر فرض کیا گیا۔ حج کی رسم حضرت ابراہیم کے وقت سے چلی آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں بھی اس کا اظہار ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ رسم حج اسلام میں بھی باقی رکھی گئی۔ جانوروں کا بے ضرورت مکہ میں ذبح کرنا نہ واجب ہے۔ نہ مسنون۔ اور نہ یہ کوئی نیکی ہے۔ اس لیے تمام ایسی حدیثیں جن میں نفس قربانی یا ذبیحہ کرنے کی اور کار ثواب بتایا گیا ہے۔ وہ میرے

---

[1] ایضاً ص ۲۰۵

نزدیک موضوع اور باطل ہیں ..... یہ کہنا کہ رسول اللہ نے مدینہ میں بقرعید منائی ہے اور قربانی کی ہے۔ تو اس روایت کو مان لیا جائے تو اس کا واجب ہونا کہاں سے ٹھہرا۔ رسولؐ کا ہر فعل مسلمان کے لیے واجب نہیں ہو سکتا۔ ان کی بہت سی قومی رسمیں تھیں۔ جو عرب ہونے کی حیثیت سے وہ کرتے تھے۔ مثلاً عقیقہ عرب کی رسم تھی اور ممکن ہے کہ رسولؐ اللہ نے بھی کیا ہو۔ مگر نہ وہ ہمارے لیے واجب ہے نہ سنت۔ کرے نہ کرے ،، [1]

بقرعید کا نام لے کر قربانی کے فساد ہونے پر فتوے دینا کس درجہ نادانی اور ابلہ فریبی ہے۔ اگر یہ شعائر اسلام رسم تھے۔ تو نماز روزہ کو کیوں رسم نہیں کہتے۔ شاید قرآن میں ان کے ذکر کی بدولت انکار کرنے میں خاموشی ہے ۔۔ حالانکہ ان کے پیر و مرشد نیاز صاحب تو ببانگ دہل ہر اسلامی فرض و سنت کو فضول سمجھتے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ جدید منکرین نیاز صاحب سے اپنے تعلق کو وقت کی مصلحت کے ماتحت تسلیم نہ کرتے ہوں۔ ان کی تردید کے لیے ہم اس کتاب کے ابتدائیہ سے چند سطریں پیش کرتے ہیں۔

"ان مضامین کا زیادہ حصہ نگار میں مختلف اوقات میں شائع ہوا تھا۔ اور اب احباب کے پیہم اصرار سے اس سلسلہ مضامین کو جو نگار میں شائع ہو چکے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے۔ نظر ثانی، حذف و اضافہ کے ساتھ۔ کتابی صورت میں جمع کر کے پیش کرتا ہوں۔ میرا مدعا اس قسم کی تحریر سے نہ ذاتی نام و نمود ہے نہ

---

[1] ایضاً ص ۲۱۵ — ۲۱۶

Marfat.com

مولویوں سے ہنگامہ آرائی۔" [1]

اس کتاب پہ جدید منکرین حدیث کے امام محمد اسلم جیراجپوری کے تصدیقی دستخط ملاحظہ کیجئے۔

"جناب سید مقبول احمد صاحب مولف مطالعہ حدیث کا مسودہ جناب مولانا اسلم صاحب جیراجپوری کی خدمت میں برائے تنقید بھیجا تھا" (ناشر کتاب) صفحہ ۵۔۔ اس پر اسلم صاحب نے نہایت مفید مشورے دیئے ہیں۔ اور ان کی فروگذاشتوں کی اصلاح کی ہے۔ اور حملہ کے اچھوتے زاویے سمجھائے ہیں۔

"مطالعہ حدیث میں نے غور سے مطالعہ کی۔ کتاب چھوٹی، مضامین متعدد۔ پھر ہر ایک مضمون میں تخریبی اور تعمیری دونوں پہلو۔ ان وجوہ سے بحثیں مختصر اور تشنہ رہ گئیں۔ دلائل میں آیات سے کم اور روایات سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور یہ وہ ہتھیار ہے۔ کہ جس سے آپ کے حریف بہ نسبت آپ کے زیادہ مسلح ہیں۔" [2]

بارہ صفحوں میں اسلم صاحب نے انہیں جدید اور عمدہ ہتھیاروں کے استعمال کا طریقہ بتایا ہے۔ سید مقبول احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے۔ اور قلم کے دست راست تھے۔

سید مقبول احمد صاحب نے "حق گو" کے نام پہ ایک رسالہ بعنوان "میں منکر حدیث کیوں ہوا" ۱۹۳۴ء میں ہر تسر سے شائع کیا تھا۔ اس میں انہوں نے حدیث پر جو اعتراضات کیے تھے۔ وہ کم و بیش وہی ہیں۔ جو ان کی کتاب زیر نظر میں

---

[1] ایضاً ص ۱۳ تمہید۔ [2] مطالعہ حدیث ص ۵

Marfat.com

اسلم جیراج پوری

بیسویں صدی عیسوی کے ان تخریب پسندوں کی جنہوں نے مذہب اسلام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جب تاریخ لکھی جائے گی تو ان کرم فرماؤں میں مولانا محمد اسلم جیراج پوری کو امت مسلمہ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اسلم صاحب بھی وہ پہلے منکرِ حدیث ہیں۔ جنہوں نے سنت کے مرکز یعنی دین کے واحد خلافہ پر بھرپور حملہ کیا ہے۔ ان سے پہلے کے منکرین کا ایک آدھ تیر اگرچہ مرکز کی جانب بھی پرواز کر آیا کرتا تھا۔ مگر ان کے حملہ کا رخ اور ان کی یلغار کی قوت مرکز کے ادھر ادھر حرث ہو رہی تھی — منکرین انکارِ حدیث پر بحث کرتے وقت حدیث کے وجود پر بحث کرتے تھے۔ ان کے نزدیک موجودہ مجموعے (بخاری، مسلم وغیرہ) اس لیے قابلِ پسند نہیں تھے کہ وہ انہیں رسول کریمؐ کے قول فعل کا ریکارڈ ہی نہیں مانتے تھے۔ اور ان منکرین کو بار بار یہ کہتے سنا گیا تھا۔ کہ اگر کسی قول کو حضور کا قول ثابت کر دیا جائے۔ تو اس کا نہ ماننا رسالت کا نہ ماننا ہوگا۔ گذشتہ اقتباسات اور حوالہ جات سے ان کا یہ نظریہ عیاں ہو رہا ہے۔

سب سے پہلے اہتمام کے ساتھ حافظ صاحب اسلم جیراج پوری نے اس قلعہ پر حملہ کیا ہے۔ اگرچہ وہ دوسرے منکرین کی طرح ادھر ادھر تیر برساتے رہے۔ مگر ان کا رخ اور تیور اسی جانب مرکوز رہا۔ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے "تعلیمات قرآن" نامی کتاب لکھ کر اپنے معارف سے دنیائے اسلام

کو یوں روشناس فرمایا :-

۱- اصولی کتاب قانون صرف اللہ کی کتاب ہے - گویا ہم پر نازل ہو رہی ہے -)

۲- رسولؐ کا فریضہ صرف پیغام الٰہی پہنچانا ہے - اور بس (یعنی پیغام پہنچا کر کے دکھانا اس میں شامل نہیں ہے)

۳- اطاعت بحیثیت رسول اور اطاعت بحیثیت امیر میں دو باتوں کا فرق ہے -

۱- بحیثیت رسالت رسول اللہ کو کسی سے مشورہ لینے کا حکم نہیں تھا - اور امیر کی حیثیت سے لوگوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا تھا - گویا بحیثیت رسول آپ کی اطاعت قیامت تک فرض ہے - کیونکہ قرآن ہمیشہ کے لیے ہے - لیکن بحیثیت امیر آپ کی اطاعت بالمشافہ تھی - امارت کے فرائض ہمیشہ ہنگامی ہوں گے - کیونکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ ماحول بھی بدلتا رہتا ہے - ظاہر ہے کہ آج جو امیر ہوگا - وہ غزوہ بدر و احد کی متابقت میں صرف نیزہ و شمشیر سے جہاد میں کام نہ لے گا - بلکہ موجودہ زمانے کے اسلحہ استعمال کرے گا - امراء کے مقابلہ میں منازعت کا حق حاصل ہے -

۲- اللہ اور رسول کے الفاظ قرآن میں اکثر جہاں جہاں ساتھ آئے ہیں ان سے مراد امارت ہے - جس کا قانون کتاب اللہ ہے - اور جن کے نافذ کرنے والے رسول اللہ یا ان کے جانشین ہیں ..... آخری اختیار اللہ اور رسول یعنی امارت ہے - اس لیے رسول اللہ کا جو منصب بحیثیت امیر کے

وہی ان کے خلفاء کا بھی ہوگا۔

۳ - ہمارے رسول نے جملہ احکام قرآنی مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ پر عمل کر کے دکھلا دیا۔ اور مسلمان اسی پر عمل کرنے لگے۔ یہ اسوۂ حسنہ امت کے پاس عمل متواتر کی شکل میں موجود ہے۔ جس کے مطابق رسول اللہ کے عہد سے نسلاً بعد نسل وہ عمل کرتی چلی آتی ہے۔ اس لیے یہ یقینی اور دینی ہے۔ اس کی مخالفت خود قرآن کی مخالفت ہے۔"

(اسلم صاحب کے غلط دعاوی کے جواب میں مختلف گوشوں سے بہت کچھ تردیدی لٹریچر شائع ہو چکا ہے۔ "ترجمان القرآن" صـ۳۱ میں ایک مضمون اسلم صاحب کی تردید میں موجود ہے۔ جس کے مطالعہ سے ان کی غلط روش کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔)

اسلم صاحب نے رسولؐ کے ارشادات (قول و فعل) کے دو حصے کر کے (مذہبی اور سیاسی یا دینی اور عمومی) بحث کا رخ یکسر بدل دیا۔ اس اہتمام کے ساتھ نفس رسالت، وحی خفی و جلی، رسول کی دو حیثیتیں۔ محمد ابن عبداللہ و محمد رسول اللہ کے سے موضوعات منکرین کے ہاں عام ہونے لگتے ہیں اور یہی مقام ہے۔ جہاں سے بے دینی اور سرکشی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ اور ایک بار یہ پھوٹ بہے۔ تو اسے روکا نہیں جا سکتا۔ ناظرین آگے چل کر دیکھیں گے کہ پرویز کی جملہ بحثوں کا محور انہی سطور پر رہتا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ درست ہے۔ مگر آپ منکر حدیث ہو کر کیسے ثابت کر سکتے ہیں حضور کے وقت سے آرہا ہے۔ اس کا ثبوت کہاں ہے؟

Marfat.com

اگرچہ اسلم صاحب کے اس مضمون کے شائع ہونے پر ادنیٰ نے "مدیر ترجمان القرآن" کے نام اپنے خط میں[1] اسلم صاحب سے اختلاف کا بھی اقرار کیا تھا۔ مگر اب ترقی کرتے کرتے استاد شاگرد دونوں دو قالب دیک جان ہیں۔ بلکہ پرویز صاحب نے اسلم صاحب کے اس خاکے میں ایسا رنگ بھرا ہے کہ شاگرد کی چابک دستی اور ابلہ فریبی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ "تعلیماتِ قرآن" پر تنقید پڑھ کر پرویز صاحب لکھتے ہیں:-

"آخیر میں اتنا گذارش کرنا ضروری ہے کہ چونکہ میں نے اس میں آپ کو مخاطب کیا ہے۔ اس لیے وہی امور پیش کیے ہیں۔ جن میں مجھے آپ کے جواب کے بعد مزید اطمینان کی ضرورت نظر آئی۔ رہے وہ امور جن سے اتفاق ہے۔ یا صاحب "تعلیمات" سے جن امور میں اختلاف ہے۔ انہیں دہرانا تحصیل حاصل سمجھا گیا ہے۔ اور یہ گزارشات بھی محض لیطمئن قلبی ہیں"

---

[1] اگر کوئی صاحب منکرین حدیث کی طرح متانت سے ہاتھ دھونے پر آمادہ ہو تو وہ اسلم و پرویز کے کارناموں پر بحث کرتے ہوئے برق صاحب کی اقتدا میں وہ ابلیس کے عنوان سے بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔ اور اعتراض وارد ہونے پر بآسانی لفظ "ابلیس" کی تشریح مختلف کتب لغات کی مدد سے ایسی کر سکتا ہے کہ اس پر کسی اخلاقی ضابطہ کی رد سے بھی حرف گیری ممکن نہ رہے۔ جیسا کہ پرویز صاحب۔ لفظ زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ کی جدید تشریح کر کے ان الفاظ کے اصطلاحی معانی پر ضرب لگانے کے درپے ہیں۔

Marfat.com

اسی سادگی اور اتفاق کو دیکھتے ہوئے ان کی توضیح پر ترجمان القرآن کے مدیر کو یہ لکھنا پڑا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ چودھری صاحب اسی گروہ (تیسرا گروہ جو حیثیت رسالت اور حیثیت شخصی میں فرق کرتے وقت تھوڑی سی غلطی کرتا ہے) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میں ابتدا ہی میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ ان کا مسلک مقدم الذکر دونوں گروہوں کی بہ نسبت حق سے بہت زیادہ قریب ہے" صفحہ

تھوڑے عرصہ بعد چودھری غلام احمد صاحب پرویز نے تیسرے گروہ سے بڑھ کر پہلے گروہ کی قیادت سنبھال لی۔ اور جو کچھ آج کر رہے ہیں۔ ان کی اساس اسلم صاحب ہی کی رکھی ہوئی ہے۔

اسلم صاحب نے اپنی بات کو زیادہ کھل کر علم حدیث میں یوں بیان کیا ہے:۔

"قرآن میں جہاں جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں موجود تھے۔ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی۔ اور آپ کے بعد آپ کے خلفا جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہو گی..... الغرض قرآن امام وقت ہی کے ساتھ اُمت کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔"

علم حدیث صفحہ ۳۴ - ۳۶

اس طرح وہ موجود الوقت حاکموں کی حاکمیت کے لیے میدان ہموار کرنے میں سرگرم کار رہے۔ اور انہوں نے حاکم وقت کی اطاعت میں خدا اور رسول صلعم کی اطاعت قرار دے کر امت کے لیے ظالم اور بدکردار حاکم کے حکم سے باہر ہونے

Marfat.com

کی راہیں مسدود کر دینی چاہییں ـــــ اور تحریفِ قرآن کے راستے کی ہموار کاوٹیں دور کرنے کی جدوجہد کی ـــ

مولانا اسلم کا مضمون "منکرین حدیث" مشمولہ کتاب مطالعہ حدیث ص ۲۵۰-۲۶۶) ان کے اور ان کے متبعین کے خیالات کا ملخص کہلانے کے قابل ہے۔ اس میں انہوں نے انکارِ حدیث کی جو وجوہات بیان کی ہیں۔ اور تدوینِ حدیث پر جو شکوک پیدا کیے ہیں۔ طلوعِ اسلام کے مدیر اور ان کے ہم نوا (جدید منکرین) ان ہی کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔ ان تشکیکات کا جواب مصدقین حدیث کی جانب سے کئی کتابوں اور مقالوں میں دیا گیا ہے۔ ہم ان اوراق میں محولہ بالا مضمون کی چند فریب پرور اور جعل آفرین باتوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ہم منکرین کی فہرست میں اسلم صاحب کو پڑھا لکھا اور صائب الرائے قسم کا آدمی سمجھتے تھے۔ مگر اس مضمون کے مطالعہ پر ہماری رائے تبدیل ہو گئی ہے۔ اور ہم بلا خوفِ تردید یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ اسلم صاحب بھی دوسرے یارانِ طریقت کی طرح فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون ﴿۵﴾

اس قرآن کے بعد وہ کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔

۲۔ فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون ﴿۶﴾

اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔

ناظرین! آپ کسی مترجم کا ترجمہ قرآن سامنے رکھ کر ان آیات کا سیاق و سباق دیکھیں گے تو اس سے یہ مطلب مبرہن ہو جائے گا۔ کہ ان آیات میں

Marfat.com

سے مراد بات اور دلیل ہے ۔ رسولؐ کا وہ قول و فعل مراد نہیں جس پہ حدیث کا لفظ اصطلاح کے طور پر بولا جاتا ہے ۔ لغت اور اصطلاح کا جو فرق ہے ۔ وہ اہلِ علم پہ پوشیدہ نہیں ہے ۔ ایک لفظ جس مقام پہ وضعی معنی دے رہا ہو ۔ اگر وہاں اصطلاحی معنی مراد لیے جائیں ۔ اور جہاں اصطلاحی معنی مقصود ہوں وہاں لفظ کو وضعی معنی پر محمول کیا جائے تو اس طرح کسی زبان کا جو ستیاناس ہوگا وہ واضح اور روشن ہے ۔ ادبیات کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس فرق سے واقف رہے ۔ لیکن منکرینِ حدیث اس فرق کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے ۔ جناب پرویز صاحب نے جو جدید لغات القرآن وضع فرمائی ہے ۔ اس میں یہی طریقِ کار اختیار کیا گیا ہے کہ جو الفاظ قرآنی اصطلاح کے طور پر مستعمل ہیں ۔ ان کو لغت کے حوالے کر کے صحیح مفہوم کا تیا پانچہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

"۳ ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ۳۱/۶

بعض آدمی وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں ۔ تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں ۔ بلا علم (یقین) کے ۔ اور اس کو مذاق بنا لیں ۔ یہ لوگ ہیں جن کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے ۔" ص ۲۵۳

اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت بھی اسلم صاحب نے فریب سے کام لیا ہے اسلام کے کسی دور میں کسی ایک عالم کے ترجمہ کی رو سے اس ترجمہ کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانا اور فضولیات کا شغل اختیار

Marfat.com

کرنا ہے۔ اور اسلم صاحب کو اس کا علم ہے۔

لکھتے ہیں :۔

"اس آیت میں لہو الحدیث کی تفسیر آئمہ حدیث نے غناء کی ہے۔ یعنی گانا اور اس کی روایت ابن عباس تک پہنچائی ہے۔" ص ۲۵۲ ۔

یہاں ائمہ حدیث کہہ کر یہ تاثر دیا ہے کہ دوسرے مترجمین نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ حالانکہ کسی ترجمہ نے اس سے "حدیث" مراد نہیں لی ـــــ یہ فریب دہی نہیں تو اور کیا ہے۔؟

۴۔ "حدیثیں بجز متواتر کے جن کے وجود ہی میں بحث ہے۔ (تین چار سے زیادہ نہیں) باتفاق ائمہ حدیث ظنی ہیں۔

امام غزالی لکھتے ہیں :۔

خبرِ واحد یقین کا فائدہ نہیں دیتی خبرِ واحد کی تعریف بھی اسی میں ہے۔ ہم اس مقام پر خبرِ واحد سے وہ خبر مراد لیتے ہیں۔ جو متواتر تک جو مفید یقین ہے۔ نہ پہنچے۔ مثلاً جس خبر کو ایک جماعت ۵ ـ ۶ آدمیوں سے روایت کرے۔ وہ خبر واحد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ظن کا روادار نہیں ہے۔" ص ۲۵۷

اس کے بعد اسلم صاحب نے سات آیات اس مضمون کی درج کی ہیں۔ جن میں ظن کے اتباع سے روکا گیا ہے۔ اور یوں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ حدیث ظن ہی ظن ہے۔ اگر یہ لاعلمی کی وجہ سے ہوتا تو ہم انہیں فریب کار نہ گردانتے۔ مگر یہ جان بوجھ کر کیا جا رہا ہے۔ اردو زبان میں لفظِ ظن کا جو عام مفہوم ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر اسلم صاحب نے یہ جال پھیلایا ہے۔ خبر واحد سے متعلق وہ اسی کتاب کی ابتدا میں ظنی ہونے کا اظہار اس شدت سے کر گئے ہیں

کہ - گویا ظن باطل کے مترادف ہے

۵ ۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں جو جو فرقے پیدا ہوئے ۔ ان کی بنیادیں خاص خاص روایتوں ہی پر تھیں اور اب تک ہیں۔ [1]

کہا جاتا ہے کہ فہم قرآن میں اختلاف ممکن ہیں۔ اس لیے پھر بھی فرقے پیدا ہو سکتے ہیں ۔ بے شک فہم معانی میں اختلاف ہوں گے۔ لیکن ان کے اوپر فرقہ کی تعمیر نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ قرآن کی حقیقت ایک ـــ تعلیم ایک ـ مفہوم ایک ـــ اور غرض اور منتہائے نظر ایک ہے۔ جو شخص کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم کرے گا ۔ علماء قرآن کے مسلسل غور و فکر کے بعد، اگر وہ صحیح ثابت ہو گی ـــ تو تسلیم کر لی جائے گی ۔ ورنہ مسترد ہو گی [2]

جب مفہوم میں اختلاف کے امکان کو تسلیم کرتے ہو تو پھر حقیقت ایک ـــ تعلیم ایک ـــ مفہوم ایک ـــــ غرض اور منتہائے ایک ..... کی رٹ کیا معنی رکھتی ہے۔ ! ـــ فرقہ کی تعمیر نہ ہو سکے گی ـ ! ۔ یہ مستقبل کا دعوے "طلوع اسلام" کے دیر کے اس دعوے کا کتنا زبردست ہے کہ جب نظام ربوبیت قائم

---

[1] ص ۲۶۵ [2] ص ۲۶۶

ہو جائے گا ۔ تو کوئی مغریب ہی نہیں رہے گا ۔
اور زکوٰۃ وغیرہ کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا ۔
فہم قرآن میں اختلاف کے وقوع کو اسلم صاحب نے
اس لیے تسلیم کر لیا ہے کہ ان کے اولین اماموں نے
جب قرآن کو جدید لباس پہنایا۔ شروع کیا تھا ۔ تو چند
ہفتوں کے اندر اندر ان میں کئی فرقے بن گئے تھے ۔ یہ بات
جس کتاب میں اسلم صاحب درج فرما رہے ہیں ۔ اس
کا مصنف سید مقبول احمد تین نمازوں کا (کبھی دو کا) اور چند
روزوں کا قائل ہے ۔ اور اسلم صاحب خود دیباچے میں ان
سے ان سے اتفاق نہیں کر سکتے ۔ اور پانچ نمازوں اور
تیس روزوں (ماہ رمضان) کے قائل ہیں ۔ اب ان دونوں
حضرات کے مریدین ان کی پیروی میں استقامت
کا اظہار کریں ۔ تو ان کے دو گروہوں کو دو فرقے نہ
کہنا کس منطق کی رُو سے درست ہو گا ۔ اور اگر اسلم
صاحب جیسے قرآن شناسوں کا کوئی بورڈ ۔ اختلاف مفہوم
کی ممانعت زبانی زبانی اپنے استدلال کے زور سے
کرے گا ۔ تو اختلاف کی بندش کیسے وقوع پذیر ہو
جائے گی ۔ ممکن ہے کہ اسلم صاحب کے اس
اشارے میں یہ مفہوم ہو کہ پرویزی علمائے قرآن بزور شمشیر اپنے

Marfat.com

راستے منوانے کے مجاز ہوں گے۔

انہوں نے اتفاق کی دلیل یہ بھی دی ہے۔ کہ "جس طرح اس عالم مادی میں علماء طبیعی ذخیرہ الگ الگ نظریے قائم کرتے ہیں۔ پھر ایک مدت تک غور و فکر کرتے کرتے ان پہ اس کی صحت یا غلطی نمایاں ہو جاتی ہے۔" اسی طرح علماء قرآن بھی غلطیوں کو دور کریں گے۔

دلیل بظاہر وزنی ہے۔ مگر حقیقتاً بودی اور فریب پر مبنی ہے۔ علماء طبیعی کے اختلافات میں مسائل نظری کے اختلافات کی نوع اور قبیل کے نہیں ہوتے۔ ان کے نظری اختلافات کو مادی تجربات اور مشاہدہ غلط یا صحیح ثابت کر دیتا ہے۔ مگر قرآن کے فہم میں جو اختلاف ہو سکتا ہے۔ وہ مادی تجربہ کر کے غلط یا صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ منکرین حدیث کے ایک رکن عظیم "ویسٹم بکم" کے خالق جناب برق صاحب

Marfat.com

نے "اسلام" میں لکھا ہے۔

"آیہ وضو میں صرف ایک اختلاف کی بنا پر کہ کسی نے اَرْجُلَکُمْ کو اَرْجُلِکُمْ پڑھ دیا۔ پورا ایک فرقہ پیدا ہو گیا۔ جو وضو میں پاؤں پر مسح کرتا ہے۔ اگر قرآن میں اس قسم کے اختلافات کی اجازت دے دی جائے۔ تو ہر مسلمان کا مذہب دوسرے سے جدا ہو جائے۔" [1]

اسلم صاحب کے ارشاد کی رُو سے مسح کرنے اور دھو کرنے کے تجربے کو لاکھ سال تک بھی جاری رکھا جائے تب بھی اس تجربہ کی رو سے فہم کے اختلاف کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ جسے اختلاف دور کرنا منظور ہو گا وہ اس لفظ کے صحیح مفہوم کے لیے اسوہ حسنہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنا اطمینان کر لے

---

[1] ص ۳۳۶

Marfat.com

گے ۔ علماء قرآن اپنی سمجھ کی رو سے ۔ صرف قرآن کی رو سے اس کی طمانیت کے سامان پیدا نہیں کر سکیں گے ۔

Marfat.com

منکرین کا اندازِ تنقید

غلام جیلانی صاحب برقؔ نے "دو اسلام" لکھ کر اپنے خیال میں دنیائے اسلام پر احسان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اس تصنیف میں حدیثی اسلام پر ایک نظر ڈالی ہے۔

لکھتے ہیں :-

"میں نے سوچا کہ حدیث و قرآن کی بتائی راہوں میں اتنا فرق کیوں ہے۔ اور راہیں بھی ایسی کہ کسی مقام پہ وہ آپس میں نہیں ملتیں۔ احادیث کی تدریج پڑھی تو مجھ پہ منکشف ہوا کہ کہیں تو اعدائے اسلام نے توہین اسلام کے لیے۔ اور کہیں ہمارے علماء نے قرآن کے تیغ و سنان والے اسلام سے بچنے کی خاطر تقریباً چودہ لاکھ احادیث وضع کر رکھی ہیں۔ جہاں ایک ایک دعا کا صلہ لاکھ لاکھ جنت قرار دیا تھا۔ اس انکشاف کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ مسلمان ہر جگہ محض اس لیے ذلیل ہو رہا ہے کہ اس نے قرآن کے عمل، محنت اور ہیبت والے اسلام کو ترک کر رکھا ہے۔ اوراد و اذکیہ کے نشے میں سرمست ہے۔ اور اس کی زندگی کا تمام سرمایہ چند دعائیں اور چند تعویذ ہیں۔ بس اور ساتھ ہی یقین ہوگیا کہ اسلام دو ہیں۔ ایک قرآن کا اسلام جس کی طرف اللہ بلا رہا ہے۔ اور دوسرا وضعی احادیث کا اسلام جس کی تبلیغ پر ہمارے اسی لاکھ ملا اور پیشواؤں کا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔" [1]

---

[1] دو اسلام صفحہ ۲۱

Marfat.com

سا حدیث کے خلاف لکھنے والوں کا ابتدا ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ قرآن کو ماخذ قانون ماننے کا شدومد کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔ ہر حکم کی تفصیل کے مندرج قرآن ہونے پر زور دیتے ہیں۔ اور قرآن کے ساتھ کسی دوسرے علمی ذریعے کی شمولیت کو ناروا، نامناسب اور غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ ان بزرگواروں میں سے اکثر جان بوجھ کر اسلام کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ اور جو اپنی سمجھ کے مطابق خلوص سے کام لے کر احادیث پر تنقید فرماتے ہیں ان کا انداز بیان اور زاویۂ نظر تنقید اور تنقیص کرتے وقت دوسروں سے رکھتا ہے) انصاف پسندی کا یہ اقتضا ہے کہ ان حضرات کے تنقیدی سرمایے کو غور سے دیکھا جائے۔ ان کے ارشادات پر ٹھنڈے دل سے نظر ڈالی جائے۔ ان کے سوالات کا تسلی بخش جواب دیا جائے۔ وہ اس طرح مطمئن نہ ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ممکن ہے دوسرے سمجھدار اور منصف مزاج قارئین کو فائدہ پہنچے اور وہ ان منکرین کی زہر چکانی سے محفوظ ہو جائیں۔

ہم ان کے ہمنوا نہیں ہیں۔ جو معترضین کا جواب کفر کے فتووں سے دیتے ہیں۔ کافر ساز کے ان تیروں کو اب ترکش میں ہی رکھنا بہتر ہے۔ ان کے اسراف نے ان کی قدر و قیمت کھو دی ہے۔ جس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عوام اور تعلیمیافتہ طبقہ دونوں ان "کافروں" کی جانب پہلے سے زیادہ جھکتے ہیں۔ اور انہیں ان فتووں سے نقصان کے بجائے فائدہ ہوتا ہے۔ ان کی تشہیر کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اور اس شہرت کے بعد ان کے "فرمودات عالیہ" کے مطالعہ کا شوق پہلے سے بڑھنے لگتا ہے ——— کفر کے فتاویٰ کی افادیت سے انکار نہیں۔ مگر ان کے بے جا استعمال نے اس طریق کار کو آج اتنا مخدوش کر دیا ہے۔ کہ جب کسی کے خلاف

کفر کا فتویٰ سننے میں آتا ہے۔ تو پہلا تاثر یہی پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ کافر، مظلوم ہوگا
— لہذا ——— جن حضرات کے دلوں میں اسلام کا درد ہے۔ اور جو اس
درد کا اظہار مناسب اور سود مند طریقے سے کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ
وہ جس لٹریچر کو کفر پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ اس کی خامیاں اتنی ہوشیاری اور انصاف
کے ساتھ پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے پیش کر دیں کہ کفر پسند لٹریچر سے پورے ملک
میں نفرت پیدا ہو جائے اور دین کے ان دشمنوں سے دانشمند اور باانصاف مسلمان
بیزار ہو جائیں

۳ منکرین حدیث کا ایک گروہ عرصے سے محوِ کار ہے۔ ان کے اعتراضات میں اتنی
جان نہیں ہے۔ جتنی ان کے حواریوں کے ہاں مشہور ہے۔ اور ان کا مقابلہ کرنا اتنا دشوار
نہیں ہے۔ جتنا کہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ ان کے وسائل نشر و اشاعت کے میدان
واقعی قابلِ داد اور موثر ہیں۔ ان کے ہاں اشاعتی کاموں کے لیے سرمایہ کی فراوانی
حیران کن بھی ہے اور حوصلہ شکن بھی ——— مگر سرد سامان کی اس ہمہ گیری سے
خوف کھا کر مقابلے میں نہ آنا ——— دانشمندی کے بھی خلاف ہے۔ اور حقیقت
کے مستور رہنے کے خدشے کی رو سے بھی، اسلام کے لیے نقصان دہ اور انسانیت
کے مستقبل کے لیے مہلک ہے۔

ہم نے پچھلے صفحات میں انصاف پسندی کا نام لیا ہے۔ اس سے ہمارا
مفہوم یہ نہیں ہے۔ کہ ہم صرف لفظی طور پر اس کے درد کو پسند کرتے ہیں۔ اور عملی
طور پر اس سے دور رہنے ہی میں مصلحت دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم
منکرین حدیث کے لٹریچر پر تنقید کرتے وقت دلائل و براہین سے کام لیں گے۔

Marfat.com

دل آزار کلمات سے دور رکھیں گے۔ ان کی تحریرات کے حوالے مسخ کر کے نہیں دیں گے ـــــ ان کی اس طرزِ فکر کا صحیح سراغ لگائیں گے۔ اور ان محرکات تک پہنچنے کی پوری کوشش کریں گے۔ جن کے زیر اثر یہ بزرگوار امت کے لیے ایک نئی راہ تراشنے میں مصروف ہیں۔

ہمیں یہ امید ہے کہ اگر ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو اس کے دور رس نتائج کا اندازہ اگرچہ سردست نہیں ہو سکتا تاہم بہت جلد اس ملک میں اعتدال اور اعتدال کے ساتھ کسی مسئلے پر سوچنے کی کم از کم ایک مثال تو قائم ہو جائے گی۔

ہمارے علمائے کرام کو، اپنے علمی وقار کے احساس کو برقرار رکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ دین کے اس حصے سے بیزاری کی اصلی وجوہات کیا ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض لوگوں نے دنیاوی جاہ و منصب کے لیے حدیث کو شاذ بنا رکھا ہے۔ بعضوں نے کسی "محبوبہ" کا اشارہ پا کر یہ تحریک شروع کی تھی ہے۔ بعضوں نے کم علمی اور اسلام کے سطحی مطالعہ کی بنا پر یہ روش پسند کر لی ہے۔ لیکن اس فہرست میں چند اور وجوہ کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے مثلاً ایک عرصے سے حدیث کے علم کو محدود حلقوں تک محصور کر دیا گیا ہے۔ اور ان درس گاہوں میں بھی طلبہ کو آخری سال میں حدیث پڑھائی جاتی ہے۔ اور اس سے پہلے انہیں دوسرے درسی مشاغل میں مصروف رکھا جاتا ہے۔ جس کی افادیت اب بھی نہیں ہے۔ ہمارے دینی مدرسوں میں جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے انسان کی بات تو یہ ہے کہ وہ اب پرانا ہو گیا ہے۔ منطق کی بحثوں میں الجھائی جاتی ہیں۔ حقیقت

یہ ہے کہ دنیا والے ان کتابوں کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں اور قرآن کو جن تفاسیر کی مدد سے سمجھا جاتا ہے۔ ان کی افادیت اور فیض رسانی کا دائرہ مرورِ زمانہ سے تنگ ہو گیا ہے۔ اور آج کی دنیا والے قرآن کو سمجھنے کے مشتاق ہونے کے باوجود ایسے انداز کے دلدادہ ہیں جو جدید ہو۔ اگر ہمارے دینی مدرسوں میں ان علمائے اسلام کی تفاسیر سے مدد لی جائے جو جدید دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو اس طرح دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور معترضین کی زبانیں اتنی تیزی اور طراری نہیں دکھا سکیں گی۔ درسِ نظامی اپنے وقت کے لیے مفید ہی نہیں بلکہ نہایت عمدہ اور بہترین تھا۔ مگر آج اسے بحال رکھنا، اور نصاب میں تبدیلی روا نہ رکھنا اسلام کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہو گیا ہے۔ قرآن کو سمجھانے کے لیے جدید علم سے مدد لینا قرآن اور اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ جدید علوم اس وقت مذہب کے لیے نقصان دہ ہوا کرتے ہیں۔ جب مذہب پسند طبقہ ان علوم جدیدہ سے مرعوب ہو کر ان کو سند کے طور پر پیش کرتا ہو۔ اور دین کے علمی ذخیروں کو ان کی رو سے دیکھتا ہو اور جدید علوم پر ایمان لے آنے کے بعد مذہب کی جانب بڑھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جب علوم جدیدہ کی بالادستی تسلیم کر لی گئی ہو۔ تو اس کے بعد ایک عالم دین کا مطالعہ کر کے جو فیصلہ دے گا وہ لازماً علوم جدیدہ کے حق میں ہو گا۔ اور مذہب کے خلاف ——— اس کے برعکس جو لوگ دین کو تمام تر علمائے دین کی علمیت مان کر علوم جدیدہ کی جانب بڑھتے ہیں۔ انہیں ان کے اندر اور ان میں ان کے شواہد ملتے ہیں۔ اور مذہب کی بالادستی قائم رکھتے ہوئے فیصلے دین و دنیا دونوں کے لیے سود مند ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ہماری ان معروضات کے ثبوت کے لیے عہد عباسہ کی علمی تاریخ اور ہندوستان میں سرسید اور ان کے رفقاء کی روش کو پیش نظر رکھنا کافی ہے — نئے ذہنوں کو نئے رنگ کی ضرورت ہے۔ جب ہم نے زندگی کے دوسرے میدانوں میں جدت پسندی کا عام ثبوت دے رکھا ہے۔ تو ہمیں مذہب کے میدان میں بھی جدید افکار کو در آنے کی عام اجازت دینی ہوگی۔ اس کے بغیر مذہب کے خالص اور سچے ہونے کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا کہ آج کی دنیا کے ہر چیلنج پر لبیک کہا جائے۔ اور قرآن و سنت کے اوتاروں سے کفر و بدعت کے حملوں کو رد کیا جائے۔ یہ کام کسی ایک طبقے تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے۔ جس کسی سے، جس وقت اور جہاں کہیں، جو کچھ ہو سکے اسے کرنا چاہیے۔ دین پسندی اور خدا پرستی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم قدم قدم پر اس جدوجہد میں مصروف ہو جائیں۔

منکرین حدیث کے پاس جو ہتھیار ہیں اور ان کی تفصیل گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے) ان کے مطالعہ کے بعد اگر کوئی سادہ مزاج مسلمان یہ کہے کہ ان سے اسلام کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسلام تو بڑا پختہ اور مضبوط دین ہے۔ ان کچی گولیوں سے اس کا کچھ نہیں بگڑا جا سکتا — تو ہم اس سادگی کے اظہار پر خاموش ہو جانے ہی پر اکتفا کریں گے۔ اور اگر کوئی متزلزل مزاج مسلمان ان سطور کے مطالعہ پر سراسیمگی اور حواس باختگی کا شکار ہو جائے تو ہم اسے یہ تسلی دیتے ہیں کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ منکرین حدیث کے حملہ سے ہو گزرتا ہے۔ اسے آنے دیجئے۔ حصار نبوت کے مدد و بنیاد میں ابھی ہر گز کو برداشت کر لینے کی تاب و توان موجود ہے۔ بیرونی دیواروں اور احاطے کے چند نقش و نگار اس یلغار سے معرض خطر

Marfat.com

ہیں ہیں ۔ مگر جب ملت کے اس عظیم الشان قلعہ سے مخالفین پر گولہ باری کی جائے گی تو وہ پسپا ہوتے ہی میں مصلحت پائیں گے ۔)

ہمیں اس بات کا نہایت افسوس ہے کہ بعض منکرین حدیث نے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی حدیث سے بے پروائی کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی قدم قدم پر کوشش کی ہے ۔ انہوں نے اپنے اعتراضات میں بکثرت ان احادیث کے حوالے دیئے ہیں ۔ جو موضوعات میں شامل ہیں ۔ اور جن کے وضع ہونے پر ہر زمانے کے مسلمان علماء اتفاق کرتے آئے ہیں ۔ ان موضوع احادیث کو بحث کے دوران میں صحیح احادیث کی صورت میں پیش کرنا مغالطہ دہی کا ثبوت دینا ہے ۔ منکرین حدیث کا باطن اگر صاف ہے اور ان کا مقصد امت کو صحیح منہاج پر چلانا ہے ۔ تو اس کے لیے جھوٹ کو سچ کر کے پیش کرنا سخت ناانصافی ، دروغ پردازی ، اور منافقت ہے ۔ اس طرح ان لوگوں سے حسب دل خواہ داد تحسین لی جا سکتی ہے ۔ جو موضوع ، اور صحیح کے فرق سے ناواقف ہیں ۔ لیکن جن لوگوں کو منکرین حدیث کے اس طریق استدلال کا علم ہو جاتا ہے ان کی نظروں میں منکرین کا کیا وقار ہو سکتا ہے ۔

سب سے زیادہ افسوس ناک روش ان نقادوں کی یہ ہے کہ وہ اپنی نگارشات میں حضرت رسالت مآب کی ذات گرامی اور حضور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق بات کرتے وقت توہین آمیز لہجہ اختیار کرتے ہیں ۔ اور ان کے قلم سے حضور کا مبارک نام ایسی خشکی سے لکھنے میں آتا ہے کہ ذوق سلیم کو ناگوار گزرتا ہے) آخر یہ سب کیوں ہے ۔۔۔ ؟ ۔۔۔ کیا دین کے پرستار اور اسلام کے شیدائیوں کا یہی طریقہ رہ گیا ہے ۔۔۔ کیا داڑھی رکھنے کے لیے اس کے سوا کوئی اور تدبیر نہیں ہے

Marfat.com

کیا دنیا میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو اس طرز تحریر اور انداز بیان کو ناپسند کرتے ہوں۔ انسانیت کے محسنِ اعظمؐ، صداقت اور ایمان کے آفتاب لازوال، علم و عمل کے شہنشاہ، بے جلال کی عزت نہ کرنا، باطن کی تاریکی، ظاہر کی گمراہی، اور ابدی روسیاہی ہے اور منکرین حدیث کا دوسرا جرم یہ ہے عالم کو ملا کہہ کر بدنام کرنا ہے۔

ع ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

دین کے خادموں کو ملا کے خطاب سے نوازنے کی بھڑاس تو نکالی جا سکتی ہے۔ مگر صحیح راستے پہ چلنے والے دین کے ان خادموں کی خدمت کو حرفِ غلط کی طرح مٹایا نہیں جا سکتا۔ یہ ناممکن ہے، ایسا خیال ابلہ فریبی ہے، کوتاہ اندیشی ہے، جادہ یہ مسلک قطعاً نہیں ہے۔ کہ ہم ہر ملائے مکتبی کو دین کا خادم سمجھتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندیشہ و نظر کے فساد نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے۔ انہیں اسلام کا محسن سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک اسلام کا ہر دشمن قابل نفرت ہے وہ بد قسمتی سے کسی مسجد کے اندر ہو۔ یا کسی خانقاہ کو، دفیض یاب کر رہا ہو۔ کسی مدرسہ میں ہو یا کسی کالج میں، کسی بنگلے میں ہو یا کسی اسمبلی میں، کسی بانکارخانہ میں ہو یا کسی کارخانے میں ——— لیکن جب منکرینِ حدیث ہر عالم کو، ہر امام کو ہر قاضی کو، ہر فقیہ کو۔ ہر شیخ کو، بلا تخصیص و تمیز ——— ملا قرار دیتے ہیں۔ اور ہر زمانے کے بزرگوں کو اسلام کا دشمن گردانتے ہیں۔ تو اس وقت انصاف پسندی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ منکرین کی اس روش کو اسلام کے لیے نقصان دہ سمجھا جائے۔

جن بزرگوں کو، اہلِ اسلام آج تک۔ صحابی، تابعی، مجتہد، امام، فقیہ، محدث،

Marfat.com

شیخ طریقت ، مولانا ، علامہ ، کہتے آئے ہیں۔ اور جن کے نقشِ قدم پر ظاہر و باطن کے مسلمانوں کے لیے باعث صد افتخار رہا ہے۔ اور جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت اسلام نے ترقی کی ہے۔ اور جن کی محنتوں اور کاوشوں کے دم سے آج قوم اسلامیہ کا وجود ہے ـــــ انہیں منکرینِ حدیث، ملّا کے نام سے پکارتے ہیں اور اسلام کا دشمن گردانتے ہیں۔

ع یہ ہیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

Marfat.com

ردِّ بدعت

مصنفہ پروفیسر محمد فرمان ایم اے

سائز = $\frac{20 \times 30}{16}$ ۔ ضخامت = ۷۲ صفحات

قیمت مجلد = ایک روپیہ

اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوبات سے حوالے دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بدعت دین اسلام کے لیے نہایت نقصان دہ ہے اور سنت نبویؐ کے عظیم الشان محل کو ڈھانے کی ایک خطرناک سازش ہے۔

کتاب العقائد

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اہل سنت والجماعت کے جن عقیدوں کو ضروری سمجھا ہے۔ انہیں اپنے مکتوبات میں بیان فرمایا ہے ۔ عقیدے کی درستی ۔ عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے ۔

تالیف و ترجمہ پروفیسر محمد فرمان ایم اے

سائز = $\frac{20 \times 30}{16}$ ۔ صفحات ۹۶ ۔ قیمت ۷۵ پیسے ۔

مکتبہ مجددیہ۔ نور پور شرقی۔ گجرات (پاکستان)

اقبالؒ اور منکرین حدیث

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام میں قانون سازی کے بنیادی ماخذ قرآن اور سنت ہیں۔ جدید دور میں ایک گروہ سنت کے معلوم کرنے کے مستند ذرائع (احادیث) کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہے۔ اس گروہ کے قائد اپنے آپ کو علامہ اقبالؒ مرحوم کا مرید اور پیرو بتاتے ہیں۔ اور علامہ مرحوم کے افکار کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب میں علامہ کے صحیح افکار کو تشریح و توضیح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ نیز منکرینِ حدیث کے اولین اماموں کے افکار پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

مصنفہ — پروفیسر محمد فرمان ایم اے

صفحات ۲۴۰ — سائز = $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۱۶}$

قیمت عمدہ ایڈیشن — تین روپے

" عام " — چھ آنے

مکتبہ مجددیہ۔ نور پور شرقی گجرات (پاکستان)

Marfat.com

انکارِ حدیث

ایک فتنہ!
ایک سازش!!

مُصنّفہ

پروفیسر محمد فرمان ایم۔ اے

(مُصنّف حیاتِ مُجدّد)

مکتبۂ مُجدّدیہ، نورپور شرقی گجرات

Marfat.com